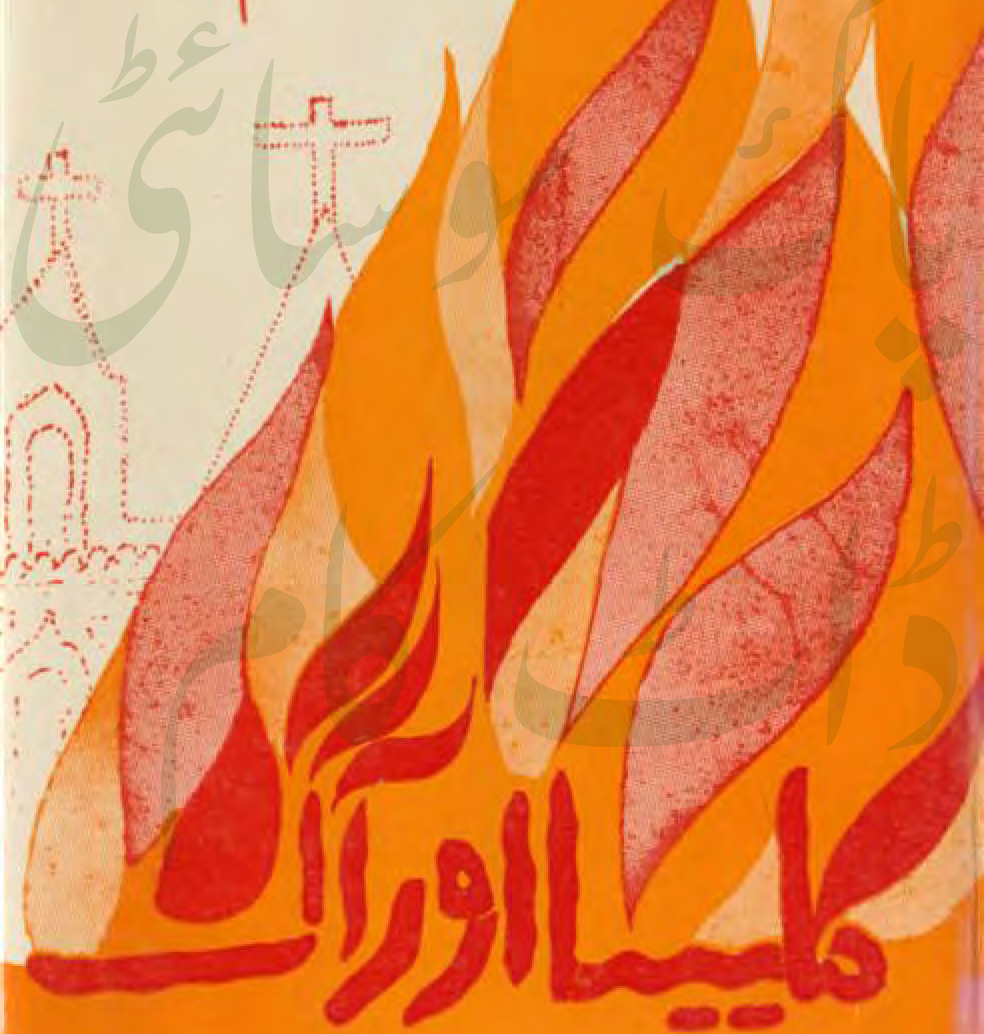
نسیم حجازی



کلیسا اور آگ

نسیم حجازی

صدیقی اینڈ کمپنی 430 میٹا محل، دہلی 110006

کلیسا اور آگ

مصنف ـــــــ نسیم حجازی

تعداد ـــــــ ایک ہزار

اہتمام ـــــــ فیضان احمد

طباعت ـــــــ

قیمت ـــــــ 50 روپے

ناشر :- صدیقی اینڈ کمپنی، دہلی ۶

انتساب

دورِ حاضر کے رجلِ عظیم
شاہ فیصل بن عبدالعزیز شہیدؒ
کے نام

جب وہ زندہ تھے تو میں نے ہمیشہ انھیں دُور سے دیکھا تھا۔ لیکن ان کی شہادت کے بعد میں یہ محسُوس کرتا ہوں کہ وہ میرے دل سے قریب تر تھے۔

نسیم حجازی

پیش لفظ

یہ کتاب ایک قوم کی المناک داستان کا آخری باب ہے جو قریباً آٹھ صدیاں عروج و زوال کی منازل طے کرنے کے بعد اُس سرزمین سے نابود ہو گئی تھی جہاں آج بھی دُنیا بھر کے سیاح اس کی عظمتِ رفتہ کی غیر فانی یادگاریں دیکھنے آتے ہیں ـــــ

اندلس کے مسلمان قریباً چار سو سال ایک پُرشکوہ سلطنت کے مالک رہے۔ پھر وہ طوائف الملوکی اور لامرکزیت کا شکار ہوئے اور نصرانیوں نے اُن کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر شمال میں پاؤں جما لیے۔

گیارہویں صدی کے رُبعِ آخر میں شمال کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں الفانسو ششم کے جھنڈے تلے متحد ہو رہی تھیں لیکن ملوک الطوائف کو ایک مشترکہ دُشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کا خطرہ بھی راہِ راست پر نہ لا سکا ـــــ وہ ایک دوسرے کے خلاف الفانسو سے مدد حاصل کرتے تھے اور اسے خراج ادا کرتے تھے۔

۱۰۸۵ء میں ایک طالع آزما یحیٰی القادر نے طلیطلہ پر الفانسو کا قبضہ کرا دیا ـــــ اس کے بعد نصرانیوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ وادیٔ الکبیر

تک کے علاقے ان کے حملوں سے محفوظ نہ تھے۔

اندلس کے حریت پسندوں کی فریاد پر افریقہ کے مرابطین یوسف بن تاشفین کی قیادت میں اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کو پہنچے اور پے در پے شکستوں کے بعد ایک مدت کے لیے نصرانیوں کے حوصلے سرد پڑ گئے۔

لیکن ایک صدی بعد نصرانیوں کے عزائم کو شکست دینا پھر ان کے لیے موت و حیات کا مسئلہ بن چکا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے اسلاف کی عظیم سلطنت پھر قبائلی اور خاندانی ریاستوں میں بٹ چکی ہے اور وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ ان کے دائمی دشمن چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے اتحاد سے ایک طاقتور سلطنت بنا چکے ہیں اس کے باوجود وہ متحد اور منظم نہ ہوئے ـــــ اور اس انتشار اور لامرکزیت کی سزا یہ تھی کہ ۱۱۸۷ء میں، یعنی طلیطلہ پر نصرانیوں کے قبضے سے ۱۰۲ سال بعد سرقسطہ بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

پھر ۱۲۳۶ء میں نصرانی قرطبہ پر قابض ہو گئے ـــــ مغرب میں اس شہر کی وہی اہمیت تھی جو مشرق میں بغداد کی تھی۔

۱۲۴۸ء میں نصرانیوں نے اشبیلیہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کی سلطنت غرناطہ کے صوبے یا ریاست تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہ چھوٹی سی سلطنت قریباً اڑھائی سو سال قائم رہی۔ اس کے آخری دور میں مسلمانوں نے اپنی آزادی کے لیے بے شمار قربانیاں دیں لیکن اندرونی سازشوں کے باعث ۱۴۹۲ء میں ان کی آزادی کا آخری پرچم بھی سرنگوں ہو چکا تھا۔

"اندھیری رات کے مُسافر" لکھنے کے بعد مجھے ان حالات پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں جو سقوطِ غرناطہ کے باعث ہوئے تھے ـــــ لیکن تاریخ کا یہ سوال بار بار میرے ذہن میں آتا رہا کہ ۱۴۹۲ء کے بعد کیا ہُوا تھا؟

یا پھر اُن ادوار میں مسلمانوں پر کیا گزری تھی جب نصرانی حکومت نے متارکۂ جنگ اور ہتھیار ڈالنے کے سلسلے میں تمام سابقہ معاہدے منسوخ کر کے اُن کے لیے مسلمانوں کی حیثیت سے زندہ رہنا ناممکن بنا دیا تھا اور جبراً اصطباغ دینے کے بعد انھیں مورس[۱] کی بجائے نفرت سے مورسکوز کہا جاتا تھا۔

میرے نزدیک اُندلس کے مسلمانوں کا المیہ صرف یہی نہیں کہ وہ اپنی سلطنت، اپنی آزادی، اپنے وطن اور اپنے قومی تشخص سے محروم ہو گئے تھے اور ایک پرشکوہ ماضی سے اُن کے سارے رشتے کاٹ دیے گئے تھے ——— بلکہ ایک عظیم سانحہ یہ بھی ہے کہ ہمیں اُن پر "انکوی زیشن[۲]" کے ناقابلِ بیان مظالم کے تذکرے جن کے باعث وہ ایک صدی کے عرصے میں اندلس سے نابود ہو گئے تھے، بیشتر یورپ کے عیسائی مؤرخین کی تصانیف سے ملتے ہیں ———

سقوطِ غرناطہ کے بعد ابتدائی چند برسوں میں بعض عرب شعرائے نے اپنی زبوں حالی کے متعلق نظمیں لکھی ہیں، لیکن پوری سولھویں اور سترھویں صدی کے ابتدائی چند سالوں کے دوران جب یہ لوگ ہر روز ایک نئی قیامت کا سامنا کرتے تھے، کسی قابلِ ذکر مسلمان مؤرخ نے اُن کے آلام و مصائب کے بارے میں نہیں لکھا ———

"انکوی زیشن" ان بدنصیب انسانوں کو نابود کر دینے کے لیے کلیسا کا سب سے اہم ہتھیار تھا۔ اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے ایک یا چند الفاظ ناکافی معلوم ہوتے ہیں، اس لیے میں نے "انکوی زیشن" کے عنوان سے

۱؎ MOORS مغرب میں یہ لفظ اندلس کے مسلمان فاتحین کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ جب وہ جبراً عیسائی بنا لیے گئے تھے تو انھیں حقارت سے مورسکوز MORISCOS کہا جاتا تھا۔

۲؎ INQUISITION

ایک علیحدہ باب لکھ دیا ہے جو اس داستان کے لیے دیباچے کی حیثیت رکھتا ہے ——— جسے لکھتے وقت مجھے رات کی تنہائیوں میں کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں اندلس کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں ——— میری نگاہوں کے سامنے اُس دَور کی داستانیں دہرائی جا رہی ہیں جب اُندلس کے مسلمان مورسکوز بن گئے تھے ——— جب مورسکوز اس الزام میں زندہ جلائے جاتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور ابھی تک اپنے اسلاف کے دین سے محبت کرتے ہیں ——— جب انکوی زیشن کے اذیت خانوں میں بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں ——— جب ان مظلوموں کے بھائی موت و حیات سے بے پروا ہو کر میدان میں نکل آتے تھے اور دشوار گزار پہاڑوں میں پوری سلطنت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جاتے تھے ———

کتنے حسین اور معصوم لوگ تھے جنھیں میں نے تصور میں زندہ جلتے دیکھا تھا؟

اور جب میں اس بھیانک ماضی سے حال کی طرف لوٹتا تھا ———

جب میں یہ دیکھتا تھا کہ یہ میرا کمرہ ہے جہاں کتابیں بکھری ہوئی ہیں ———

یہ وہی گھر ہے جہاں میرے بال بچے رہتے ہیں ——— میں اسپین کا مورسکو نہیں بلکہ پاکستان کا مسلمان ہوں تو بے اختیار میرے دل سے یہ دعائیں نکلتی تھیں:

"میرے اللہ! پاکستان پر اپنا کرم فرما!! یہ ہمارا آخری حصار ہے
اور ہمارے لیے یہاں سے پسپائی کے لیے کوئی جگہ نہیں ———
تیرے عاجز بندوں کی یہ جائے پناہ کسی نئے عبداللہ یا ابوالقاسم

کے گناہوں کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔

رب العالمین! ہمیں ان لوگوں کے شر سے بچائیو، جو ہمارے قومی تشخص اور ملتِ اسلام سے ہمارے تاریخی رشتوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ آمین!"

جس طرح میری تصنیف ——— "اور تلوار ٹوٹ گئی" معظم علی کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پروئی گئی ہے، اُسی طرح یہ کتاب بھی "اندھیری رات کے مسافر" سے منسلک ہے!

——— ایک مصنف کی حیثیت سے میں صرف یہ فرق محسوس کرتا ہوں کہ جب میں "اندھیری رات کے مسافر" لکھ رہا تھا تو پاکستان کی سیاسی اسٹیج پر وہ کھیل کھیلا جا رہا تھا جو پانچ صدیاں قبل غرناطہ میں کھیلا گیا تھا

——— اور "کلیسا کی آگ" لکھتے وقت مجھے یہ اطمینان ہو رہا تھا کہ اس دور کے ابوالقاسم اور ابوعبداللہ کا یومِ حساب شروع ہو چکا ہے

——— اور وہ سازش جس کا مقصد مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد رہے سہے پاکستان کو پارہ پارہ کرنا تھا، کامیاب نہیں ہوئی

——— ظلم و دہشت کے خلاف قوم کے باشعور عناصر بیدار اور منظم ہو رہے تھے جنھیں تاریک ویرانوں میں رہزنوں اور قاتلوں نے گھیر لیا تھا ———

اور مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ رات کتنی بھیانک تھی جس کی تاریکی نے ہماری نگاہوں سے سلامتی کے راستے اوجھل کر دیے تھے ———

عوام کے دلوں میں ابھی اس کی یاد تازہ ہے

——— لیکن، یہ بات ہمیں کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ جب ایک آمر کا

غرور انتہا کو پہنچ چکا تھا، ظلم، بے حیائی، عریانی اور فحاشی کے بھوت ننگے ہو کر ناچ رہے تھے

——— جب مستقبل کے متعلق قوم کی ساری امیدیں دم توڑ رہی تھیں، اس وقت ہم نے اسلام کے حصار میں پناہ لی تھی ———

ہماری سیاست گروہی اور جماعتی دائروں سے نکل کر ملّی سیاست بن گئی تھی، اور

——— فرزندانِ قوم اور دخترانِ ملت کے دلوں میں اللہ کے خوف کے سوا کوئی اور خوف نہ تھا ———

——— ہمارے غازی آمریت کے سامنے سینہ سپر ہو گئے!

——— کسی بچے، بوڑھے یا جوان کے سینے سے خون کا دھارا پھوٹتا۔ اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور پھر ملت کے وجود سے زندگی اور توانائی کے اَن گنت چشمے پھوٹ نکلے۔

قومی اتحاد کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے اکابر نے یہ عہد کیا کہ ہم اللہ کی زمین پر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم کریں گے اور لوگ ۱۹۴۰ء کی طرح پھر ایک بار پاکستان کا مطلب کیا لاالٰہ الااللہ کے نعرے لگاتے ہوئے اُن کے پیچھے چل پڑے تھے۔ ان کے ایثار و خلوص اور عزم و یقین کو اللہ کی نصرت سے نوازا گیا اور وہ آمر جس نے پاکستان کو اپنے سیاسی قد و قامت کے مطابق بنانے کے لیے اسے توڑنے کی سازش کی تھی، جو زندگی کے آخری سانس تک اقتدار کی مسند پر رونق افروز رہنا چاہتا تھا، اپنی تمام ذہانت اور عیاری کے باوجود عدل و انصاف کے ایوانوں میں قتل کے ایک ملزم کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔

اس ——— کے بعد اللہ کی بارگاہ میں تشکر و احسان مندی کا تقاضا یہ تھا کہ ہم اس اتحاد کو مضبوط سے مضبوط تر بناتے جس کی بدولت ہمیں دورِ حاضر کی

بدترین آمریت سے نجات ملی تھی، ہم ماضی کی ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کرتے جن کے باعث آدھا ملک جا چکا تھا ——— اور ہمارے لیڈر عوام کا اعتماد مجروح نہ ہونے دیتے جنھوں نے پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنانے کے لیے بے مثال قربانیاں دی تھیں ——— لیکن یہ کتنا عظیم المیہ ہے کہ جولائی ۷۷ء میں اطمینان کا سانس لیتے ہی بعض فرزندانِ مصلحت کی ذاتی خواہشات قومی مقاصد پر غالب آ گئیں اور وہ اس سفینے سے کود پڑے جس کی بدولت وہ آلام و مصائب کے گرداب سے نکلے تھے ——— اور بعض ابھی چھلانگ لگانے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کر رہے ہیں ——— اب ان کے نزدیک قوم کی موت و حیات کے مسائل اپنی لیڈری کا لوہا منوانے اور پریشان حال عوام سے یہ تسلیم کروانے تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں کہ ملک کی سیاست میں صحیح یا غلط کا معیار ہماری ذاتی پسند ہے ——— اگر ہم قومی اتحاد کو اپنے لیے خسارے کا سودا سمجھیں تو یہ الفاظ ہی سیاسی لغت سے نکال دیے جائیں۔

یہ حضرات اندلس کے ان ملوک الطوائف کی داستان دہرا رہے ہیں جو انتہائی خطرے کی صورت میں ایک ہو جاتے تھے، لیکن جنگ میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہی زرِ مالِ غنیمت کی تقسیم میں یا اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے ایک دوسرے سے اُلجھ پڑتے تھے ——— اور دشمن کبھی ایک اور کبھی دوسرے سے سودا کر کے ان کے چند قلعے ہتھیا لیتا تھا ———

عوام نظامِ اسلام اور نظامِ مصطفیٰ کے نعرے سُن کر قومی اتحاد کے پیچھے ہو لیے تھے اور انھوں نے وہ قربانیاں دی تھیں جن پر ہماری آیندہ نسلیں فخر کریں گی ——— لیکن یہ لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ یہ سارا ان کا ذاتی کمال ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔

مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ اُن کی یہ خوش فہمی بہت جلد دُور ہو جائے گی لیکن میں جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ان غرض کے بندوں نے یہ شرمناک کھیل اس وقت شروع کیا ہے جب نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالمِ اسلام خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ اریٹیریا کے مسلمانوں پر بم گرائے جا رہے ہیں، برما کے مسلمانوں پر سپین کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے، اندرونِ ملک غیر اسلامی نظریات کے تاجر پوری مستعدی سے کام کر رہے ہیں اور اشتراکی الحاد جس کی تباہ کاریاں نصف صدی قبل سمرقند اور بخارا کے مسلمانوں نے دیکھی تھیں، کابل تک پہنچ چکا ہے۔

میں ان لوگوں سے اللہ اور اس کے بندوں کے نام پر کوئی اپیل نہیں کر سکتا جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہر ضابطۂ اخلاق کو اپنی خواہش یا ضرورت کے مطابق ڈھالنے کا حق رکھتے ہیں اور ان کے سیاسی جوڑ توڑ، اُن کی تدبیریں، اُن کی دانائی اور موقع شناسی قوم کی اجتماعی قوت کا نعم البدل ہو سکتی ہے۔

لیکن جو لوگ ایک قوم کے لیے وطن کی ضرورت کا احساس کر سکتے ہیں، پاکستان کے بقا کے لیے اس کی نظریاتی سرحدوں کی اہمیت سمجھتے ہیں اور اس ملک میں اُندلس کی تاریخ نہیں دہرانا چاہتے، انھیں میں بار بار خبردار کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ قومی اتحاد نے اللہ اور اس کے بندوں کے ساتھ جو عہد کیا تھا، اس سے فرار کا ہر راستہ تباہی کی طرف جاتا ہے ——— گزشتہ تیس برس کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ کے سوا ہماری آزادی اور بقا کی کوئی ضمانت نہیں۔

اندلس میں مسلمانوں کی تباہی کا باعث وہ قسمت آزما تھے جنھوں نے قوم کی اجتماعی حیات کے سرچشمے زہر آلود کر دیے تھے ——— بھائی کو

بھائی سے جدا کر دیا تھا ـــــ اور اقتدار کے جنون میں کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ قوم بھی زندہ رہنے کا حق رکھتی ہے جس کے اسلاف نے اس سرزمین پر اپنے خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی تھی ـــــ

اس داستان میں پاکستان کے موقع پرستوں کے لیے یہ سبق ہے کہ جب قومیں تباہ ہوتی ہیں تو تاریخ ان کے غداروں کو بھی گمنامی کے اندھیروں میں چھپا دیتی ہے ـــــ آج ہم اپنے گردوپیش جس قدر بھیانک اندھیرے دیکھ رہے ہیں اُسی قدر ہمیں اجتماعی ضمیر کی روشنی کی ضرورت ہے۔

نسیم حجازی

الغیاث
۳۳-بی۔ راولپنڈی

ماں کی وصیّت

غرناطہ سے ہجرت کے بعد، اُندلس کے تاجدار، اَبُوعبداللہ کی حکومت الفجارہ کے پہاڑی علاقے میں صرف پانچ میل چوڑے اور دس میل لمبے علاقے تک محدُود تھی۔

اس جاگیر کی مغربی سرحد پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی ایک لمبی دیوار تھی! اُس سے نیچے کی طرف ایک پُرانا قلعہ ابوعبداللہ کی قیام گاہ تھا۔ یہ پہاڑیاں شمال کی جانب بتدریج بُلند ہوتی گئی تھیں اور ان کے پیچھے ایک قلعہ اور زرخیز وادی کی چالیس بستیاں ابوعبداللہ کے سابق وزیر ابوالقاسم کی ملکیت تھیں۔

ابوالقاسم کی جاگیر کے مُنتظم کا نام مصعب تھا ـــــ وہ ابوالقاسم کی بیوی کا چچازاد بھائی تھا اور سلطان کی آمد سے کچھ دن بعد اپنے گھرانے کے چند افراد کے علاوہ، مسلح محافظوں، نوکروں اور غلاموں کے ساتھ جاگیر میں منتقل ہو چکا تھا، لیکن ـــــ غرناطہ میں ابوالقاسم کی مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ گزشتہ تین برس کے عرصے میں اسے چار ہفتوں سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا موقعہ نہ ملا۔

جو قافلے سلطان ابوعبداللہ کے ساتھ یا اس کے فوراً بعد الفجارہ پہنچے

تھے، ان کی اکثریت بے سروسامانی کی حالت میں غرناطہ سے نکلی تھی، لیکن ـــــ اس کے بعد فرڈی نینڈ کا طرزِ عمل دیکھ کر باقی لوگوں کو یہ اُمید ہوگئی تھی کہ وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، اس لیے وہ نسبتاً اطمینان سے اپنی جائیدادوں کو فروخت کرکے الفجارہ پہنچتے اور پھر سمندر عبور کرنے کے لیے جہازوں کا انتظام ہوتے ہی ساحلِ بربر کی طرف ہجرت کر جاتے۔

فرڈی نینڈ کی بھی یہی خواہش تھی کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان اُندلس چھوڑ کر افریقہ چلے جائیں اور اس پر یہ الزام بھی نہ آسکے کہ اُس نے زبردستی انھیں جلاوطن کر دیا ہے؛ اس لیے اُس نے نہ صرف جنوب کی طرف پناہ گزینوں کے راستے محفوظ کر رکھے تھے، بلکہ مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لیے وہ حتی الامکان معاہدے کی یہ شرط بھی پوری کرتا رہا کہ جو لوگ غرناطہ سے جا چکے ہیں، وہ تین سال کے اندر اندر کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھروں کو واپس آسکتے ہیں اور اس عرصہ میں وہ اپنی املاک کا انتظام کرنے یا انھیں فروخت کرنے کے لیے اپنے کارندے بھی مقرر کرسکتے ہیں۔

مہاجرین کے ان قافلوں کو نصرانی لشکر کی لُوٹ مار سے محفوظ رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اہلِ بربر اور ترکوں کے جنگی جہاز بحیرۂ روم میں گشت کرتے رہتے تھے اور فرڈی نینڈ اپنے مفتوحہ علاقوں میں بے چینی پیدا کرکے، کسی بیرونی مداخلت کا خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا۔

مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فرڈی نینڈ کے عزائم کلیسا کے انتہائی تنگ نظر راہبوں سے کسی طرح کم خطرناک نہ تھے، لیکن اُس کے نزدیک مسلمانوں کی رگوں سے رہا سہا خون نچوڑنے کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور اسی وقت کے انتظار میں وہ شطرنج کی مختلف چالیں چل رہا تھا۔

کلیسا کے جذبۂ انتقام کی تسکین کے لیے اُس نے فوری طور پر ایک نیا محاذ کھولنے کی ضرورت محسوس کی اور تنگ نظر راہبوں کی توجہ اُس نے یہودیوں کی طرف مبذول کر دی۔

غرناطہ کی فتح کے جشن سے فارغ ہوتے ہی فرڈی نینڈ نے یہ فرمان جاری کیا:-

"اب اسپین کے یہودیوں کے لیے عیسائیت کے دامن میں پناہ لینے یا جلاوطن ہونے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ـــــ حکم عدولی کی سزا موت ہے!"

فرڈی نینڈ نے اپنی عیسائی رعایا کی توجہ یہودیوں کی طرف مبذول کرکے، غرناطہ کے مسلمانوں کو یہ تاثر دیا تھا کہ وقت کی آندھیوں نے اپنا رُخ بدل لیا ہے اور وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہوگئے کہ یہ اُن کے ہوشیار وزیر ابوالقاسم کی ایک اور کامیابی ہے کہ فاتح دشمن انھیں اپنی یہودی رعایا کی نسبت بہتر سلوک کا مستحق سمجھتا ہے ـــــ اُن کے گھر محفوظ اور ان کی مساجد آزاد ہیں ـــــ اور اس کے ساتھ ہی اہلِ غرناطہ کے بیرونی مددگاروں کے دل میں یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ غرناطہ کے حالات اطمینان بخش ہیں، اس لیے انھیں یہاں کسی قسم کی مداخلت کرکے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے نئی مشکلات پیدا نہیں کرنی چاہئیں ـــــ چنانچہ ترکوں کے جنگی بیڑے کی توجہ اسپین کی بجائے جنیوا اور اٹلی کے ساحلی علاقوں پر مبذول ہو چکی تھی۔

○

ایک دن ابوعبداللہ اپنی قیام گاہ کی بالائی منزل کے ایک کمرے میں

دریچے کے قریب کھڑا پہاڑ کے اس تنگ اور پُرپیچ راستے کی طرف دیکھ رہا تھا، جو ابوالقاسم کے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ اچانک اسے اپنے پیچھے کسی کے پاؤں کی آہٹ محسوس ہوئی۔

"امّی جان آپ!" اس نے چونک کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

سلطان کی والدہ ملکہ عائشہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی پھر اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "بیٹا! مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے آج ناشتا بھی نہیں کیا۔ تمھاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"امّی! میں بالکل ٹھیک ہوں، اور تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے یہاں کھڑا ہوں۔"

ماں نے درد بھرے لہجے میں کہا "ابوعبداللہ! اب اس طرف دیکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اب ابوالقاسم تمھارے پاس نہیں آئے گا۔"

ابوعبداللہ نڈھال ہوکر ماں کے سامنے دُوسری کرسی پر بیٹھ گیا "امّی جان! کبھی کبھی یہ قلعہ مجھے ایک قید خانہ محسوس ہوتا ہے اور میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"بیٹا! یہ قید خانہ تو تم نے خود ہی منتخب کیا ہے، ورنہ مراکش کی زمین تمھارے لیے بہت کشادہ ہے اور یوسف کے پیغام کے بعد تمھیں مراکش کے حکمران کی دعوت بھی موصول ہوچکی ہے۔"

"امّی! خدا کے لیے آپ پھر یہ موضوع نہ چھیڑیں۔ میں نے یوسف کو بتا دیا تھا کہ میں اندلس سے ہرگز ہجرت نہیں کروں گا۔"

"بیٹا!" بوڑھی ملکہ نے آبدیدہ ہوکر کہا "میں تمھیں اندلس چھوڑنے کا مشورہ نہیں دوں گی۔ صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ فرڈی نینڈ اور ابوالقاسم سے کوئی نیک توقع رکھنا خود فریبی ہے۔ تم گزشتہ چند ہفتوں میں کتنی بار ابوالقاسم کے

متعلق پوچھنے کے لیے اپنے آدمی بھیج چکے ہو اور اس کے ادنیٰ ملازم بھی اس قدر گستاخ ہوگئے ہیں کہ کسی نے کوئی تسلی بخش جواب دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔"

"امّی!" ابوعبداللہ نے قدرے نرم ہوکر کہا "میں اس کے نوکروں یا گھر کے آدمیوں کو قصوروار نہیں ٹھہراتا۔ انھیں غرناطہ میں اس کی سرگرمیوں کا علم نہیں ہوسکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ پچھلی مرتبہ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس نے کہا تھا کہ میں غرناطہ میں ان دنوں جو کام کر رہا ہوں، وہ تمھاری بہتری کے لیے ہے۔ کسی دن میں غرناطہ سے تمھارے لیے ایسا تحفہ لاؤں گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے! کیا یہ درست نہیں کہ سقوطِ غرناطہ کے بعد ہم جس مہیب آندھی کے تصور سے لرز اُٹھتے تھے، اس کا رُخ ابوالقاسم نے مسلمانوں کی بجائے یہودیوں کی طرف پھیر دیا ہے؟ اور بہت سے لوگ جو بے سروسامانی کی حالت میں غرناطہ سے ہجرت کرکے البجارہ اور یہاں سے افریقہ پہنچ گئے تھے، دوبارہ اپنے گھروں کا رُخ کرتے ہوئے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے۔

امّی جان! تین برس قبل آپ کی طرح میں بھی اسے اپنا بدترین دشمن سمجھتا تھا۔ مجھے اس کی صورت تک دیکھنا گوارا نہ تھی لیکن اب مجھے آپ کے سامنے یہ اعتراف کرتے ہوئے شرم محسُوس نہیں ہوتی کہ مجھے اس کا انتظار رہتا ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شکل دیکھ کر ہی مجھے اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان ہوجائے گا ـــــ آپ کو یہ شکایت تھی کہ جب بھی وہ دو چار دن کے لیے یہاں آتا ہے تو البجارہ کے سرکردہ لوگ جن میں سے اکثر نے ابھی تک مجھ سے ملاقات تک نہیں کی، اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہیں، وہ اُن کی شاہانہ دعوتیں کرتا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی خفیہ محفلوں میں کیا باتیں

ہوتی ہیں ـــــ اس کے باوجود میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ الفجارہ کے شیوخ کے ساتھ اس کی دلچسپی صرف ہماری بہتری کے لیے ہے ـــــ وہ انھیں یہ اطمینان دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ جب تک وہ پُرامن رہیں گے، ہماری جاگیروں کی طرح دوسرے علاقے بھی نصرانیوں سے محفوظ رہیں گے۔ کیا یہ حیران کن بات نہیں کہ ان سرکش لوگوں نے تین سال کے عرصے میں کوئی بغاوت نہیں کی۔ اگر وہ ابوالقاسم کے مشوروں پر عمل نہ کرتے تو ہمارے لیے یہ زمین بھی تنگ ہو چکی ہوتی۔ پچھلی مرتبہ اس نے آپ کی موجودگی میں یہ کہا تھا کہ اب الفجارہ کے لوگ یہ سمجھ چکے ہیں کہ وہ پُرامن رہ کر ہی فرڈی نینڈ کا اعتماد بحال کر سکتے ہیں اور فرڈی نینڈ کو بھی یہ اطمینان ہو چکا ہے کہ میں اس کا وفادار ہوں۔ اس لیے وہ دن دُور نہیں جب وہ کسی بڑی ذمہ داری کا مستحق سمجھ کر مجھے غرناطہ واپس بلا لے گا۔"

ملکہ عائشہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا "اگر ابوالقاسم اتنا ہی نیک اور فرڈی نینڈ اتنا ہی نادان ہوتا تو تم الحمرا سے نہ نکلتے ـــــ کاش! تمھاری ماں تمھیں بار بار اس زہریلے سانپ کے بِل میں ہاتھ ڈالنے سے روک سکتی جو تمھیں کئی بار ڈس چکا ہے۔ ابوعبداللہ! میں اس وقت سے ڈرتی ہوں جب ابوالقاسم تمھارے پاس فرڈی نینڈ کا آخری پیغام لے کر یہاں آئے گا اور تم پھر ایک بار مجھ سے یہ کہو گے کہ تم نے اژدہے کے مُنہ میں سر دے دیا ہے۔"

"امی جان!" ابوعبداللہ نے سراپا احتجاج بن کر کہا "آپ ابوالقاسم کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ بے وقوف ہے۔ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام یہاں بسر کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ اگر مجھے یہاں سے ہجرت کرنا پڑی تو وہ خود اور اس کے خاندان کے لوگ بھی الفجارہ میں

نہیں رہ سکیں گے۔"

ملکہ نے کہا "ابوالقاسم نے دشمن کی جو خدمات سرانجام دی ہیں اُن کے باعث وہ الفجارہ میں ایک جاگیر کے علاوہ کئی اور جاگیریں حاصل کر سکتا ہے۔ اسے ہمارے پڑوس میں اس لیے جاگیر دی گئی ہے کہ جب تک ہم یہاں ہیں، اس کے ملازم اور کارندے ہماری نگرانی کرتے رہیں۔ اُس نے الفجارہ میں اپنے جاسوسوں کا جال بچھا دیا ہے، جو اسے تمام حالات سے باخبر رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے گھر کی کوئی بات تک ان سے پوشیدہ نہیں رہتی۔ ہم اپنے کسانوں اور گھریلو ملازموں کے متعلق بھی وثوق کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان میں سے کون ہمارا وفادار ہے اور کون ابوالقاسم یا فرڈی نینڈ کے لیے جاسوسی کرتا ہے۔ قبائل میں کمزور لوگوں کا دل خریدنے کے لیے وہ فرڈی نینڈ کے خزانے سے جتنی رقم چاہے خرچ کر سکتا ہے اور یوسف کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا کہ ابوالقاسم کے تمام رشتہ دار اور نوکر جنگ کے دنوں میں دشمن کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے ـــــ افسوس ہے تم یوسف کے خلوص کی قدر نہ کر سکے اور اسے چاروں طرف سے مایوس ہو کر تمھارا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ جو لوگ غرناطہ سے ہمارا حال پوچھنے آتے ہیں، وہ پہلے مصعب کے پاس جاتے ہیں۔ اس کے گھر میں صرف سعادہی ایک ایسی لڑکی ہے جس سے ہمیں کچھ ہمدردی کی توقع ہو سکتی تھی۔ وہ میری گود میں کھیلا کرتی تھی اور اس کی ماں مجھے ایک بیٹی کی طرح عزیز تھی لیکن مصعب نے شاید اسے بھی ہمارے پاس آنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ کئی ماہ سے میرے پاس نہیں آئی۔"

ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر جواب دیا "امی جان! آپ اطمینان رکھیں۔ اگر مصعب پر کوئی الزام ثابت ہوا تو اسے پوری سزا دی جائے گی، لیکن

اب اس موضوع کے چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ ان باتوں سے مجھے اندلس چھوڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتیں۔ افریقہ کی خاک چھاننے کی بجائے میرے لیے خودکشی کر لینا زیادہ آسان ہے۔"

ملکہ چند ثانیے سکتے کے عالم میں اپنے بیٹے کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک کرسی سے اٹھی اور اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر لڑکھڑاتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ابوعبداللہ اٹھ کر دریچے کی طرف بڑھا اور پھر زینے سے باہر کی طرف دیکھنے لگا۔

اچانک اسے زینے پر تیز قدموں کی آہٹ سنائی دی اور چند لمحے بعد اس کی بیوی بدحواسی کی حالت میں کمرے کے اندر داخل ہوئی "آپ نے پھر کوئی جھگڑا کیا ہے؟"

ابوعبداللہ پریشان ہو کر بولا "امی جان نے آپ سے کوئی شکایت کی ہے؟"

"ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ فوراً نیچے چلیں!"

ابوعبداللہ بھاگتا ہوا نیچے اترا اور چند ثانیے بعد جب ملکہ عائشہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بے حس و حرکت اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی — کنیزیں اور خادمائیں سلطان کو دیکھتے ہی اِدھر اُدھر ہٹ گئیں۔ اُس نے جھک کر ایک ہاتھ سے اس کی نبض ٹٹولتے اور دوسرا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "امی! امی! مجھے معاف کر دیں۔ میرا مقصد آپ کو خفا کرنا نہیں تھا۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔"

ماں کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

ابوعبداللہ اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار چلایا "تم کیا

دیکھ رہی ہو؟ طبیب کو بلاؤ!!"

چھوٹی ملکہ نے کہا "طبیب ابھی آجاتا ہے۔ میں نے اس کو لانے کے لیے نوکر کو بھیج دیا ہے۔"

"امی جان! امی جان!!" ابوعبداللہ نے دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا اور سسکیاں لینے لگا۔

ایک عمر رسیدہ طبیب کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سُلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ایک طرف ہٹایا اور ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کی نبض ٹٹولنے لگا۔ مریضہ کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن اس کے تیمار دار اکھڑتی ہوئی سانس کے سوا کوئی آواز نہ سُن سکے اور جب بوڑھا طبیب اپنے تھیلے سے کوئی دوا نکال رہا تھا تو غرناطہ کے جلاوطن بادشاہ ابوعبداللہ کی ماں نے ایک جھرجھری لی اور اس کے چہرے پر موت نے پردے تان دیے۔

طبیب نے دوبارہ اس کی نبض ٹٹولنے کے بعد ابوعبداللہ کی طرف دیکھا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر سر جھکا دیا۔

کچھ دیر تک ابوعبداللہ کو اس کی موت کا یقین نہ آیا۔ پھر یکایک اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب پھوٹ نکلا اور وہ ماں کے پاؤں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔

تھوڑی دیر بعد چند سوار قرب و جوار کی بستیوں میں ملکہ عائشہ کی وفات کی اطلاع دینے کے لیے روانہ ہو چکے تھے اور ابوعبداللہ نچلی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں بیٹھا اپنے کاتب کو ابوالقاسم اور غرناطہ کے عیسائی گورنر مینڈوزا (کاؤنٹ آف ٹنڈیلا) اور چند سرکردہ لوگوں کے نام خطوط لکھوا رہا تھا۔ اس نے مینڈوزا سے یہ درخواست کی تھی کہ وہ اپنی والدہ کی میت اپنے

آبائی قبرستان لانا چاہتا ہے اور ابوالقاسم کو اس نے یہ تاکید کی تھی کہ وہ غرناطہ کی حکومت سے اجازت حاصل کرنے کے لیے اپنے ذاتی اثر و رسوخ سے کام لے۔ اگر حکومت کو کوئی خدشہ ہو تو میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ الفجارہ سے جو آدمی میت کے ساتھ آئیں گے، ان کی تعداد بہت کم ہوگی، ان میں کوئی آدمی مسلح نہیں ہوگا اور میں میت کو سپردِ خاک کرتے ہی اُن کے ساتھ واپس چلا آؤں گا۔"

اچانک ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا "عالیجاہ! ملکۂ عالیہ فرماتی ہیں کہ آپ ایلچیوں کو غرناطہ بھیجنے سے پہلے بڑی ملکہ کی وصیت پڑھ لیجیے!"

ابھی تک ابوعبداللہ کو اپنی ماں کی وصیت کا علم نہ تھا۔ وہ جلدی سے اُٹھا اور کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

چند ثانیے بعد وہ اپنی بیوی کے سامنے کھڑا تھا۔

چھوٹی ملکہ نے اسے ایک کاغذ پیش کرتے ہوئے کہا "چند ماہ قبل آپ کی والدہ نے مجھے تاکید کی تھی کہ یہ خط اُن کی وفات کے بعد کھولا جائے۔"

ابُوعبداللہ نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کاغذ پکڑ لیا اور شکایت کے لہجے میں بولا "آپ نے کبھی اس خط کا ذکر تک نہیں کیا۔"

"یہ اُن کا حکم تھا اور تھوڑی دیر قبل مجھے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ یہ خط میرے لیے ہے یا آپ کے لیے۔"

ابوعبداللہ خط پڑھنے میں مصروف ہوگیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

ابوعبداللہ کی ماں نے لکھا تھا:

"اے ایک کم نصیب ماں کے بدنصیب بیٹے!

اس دنیا میں کتنے ہی عزیز ایسے تھے جو ہمارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ موت کبھی یہ نہیں دیکھتی کہ مرنے والوں کی کیا اہمیت تھی یا ان کے حصے کے کتنے کام ادھورے رہ گئے ہیں ——— وقت مسافرانِ عدم کو کسی تیاری کا موقع نہیں دیتا۔

میرے بیٹے! اب مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں زیادہ عرصہ زندگی کا بوجھ اٹھا سکوں۔ اس ویرانے میں اپنی موت کا تصور کرتے ہوئے مجھے بارہا تم سے کچھ کہنے کا خیال آیا ——— لیکن ایک ماں نزع کے عالم میں بھی اپنے بیٹے کو پریشان دیکھنا پسند نہیں کرتی اس لیے میں اپنی وصیت بہو بیگم تمھاری ملکہ کے سپرد کر رہی ہوں۔

غرناطہ چھوڑنے سے قبل میں یہ سوچا کرتی تھی کہ کسی دن مجھے تمھارے باپ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا مگر ان کی قبر پر آخری بار حاضری دیتے ہوئے جب میں کسی دُور افتادہ مقام پر اپنی آخری آرام گاہ کا تصور کر رہی تھی تو انتہائی بے کسی کی حالت میں بھی مجھے اطمینان محسوس ہوا تھا کہ مرنے والوں کی ارواح کے درمیان سارے فاصلے ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے میں نے الفجارہ پہنچتے ہی اپنی قبر کے لیے ایک موزوں جگہ تلاش کر لی تھی۔

میرے بیٹے! تم وہ صدیوں پرانا قبرستان تو دیکھ ہی چکے ہو جہاں مجاور نے ہمیں طارقؒ کے زمانے کے چند شہیدوں کی قبریں دکھائی تھیں ——— میں یہ چاہتی ہوں کہ اگر مرنے

سے پہلے مراکش نہ جاسکوں تو مجھے ان بزرگوں کے قدموں میں دفن کر دیا جائے! ——— عید کے دن وہاں ہزاروں لوگ دُعائے مغفرت اور فاتحہ خوانی کے لیے جاتے ہیں۔ جب گزشتہ عید پر میں وہاں گئی تھی تو میں نے قبرستان کے بوڑھے مجاور سے اپنی یہ آخری خواہش بیان کر دی تھی۔

میری قبر پر تمھیں مقبرہ تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تاریخ کے صفحات سے اپنا نام حذف تو نہیں کر سکتی، لیکن مجھ پر تمھارا آخری احسان یہی ہو سکتا ہے کہ تم دنیا کے سامنے میری قبر کی نمائش نہ کرو۔ اس سے میری روح کو تکلیف ہوگی۔

ابوعبداللہ! جب کسی قوم کی سلطنت تباہ ہوتی ہے تو اس کے تاجداروں کے آخری نشان بھی مٹ جاتے ہیں اور میں اس حکمران کی ماں ہوں جس نے اپنے ہاتھوں سے اندلس کے مسلمانوں کی آخری سلطنت کا چراغ گل کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک عالیشان مقبرے کی بجائے میری شکستہ قبر سے اُڑنے والی گرد پر ہی کسی کو رحم آجائے۔

تمھاری ماں "

ابوعبداللہ نے کاغذ اپنی آنکھوں سے لگالیا اور دیر تک سسکیاں لیتا رہا۔ پھر وہ اچانک کمرے سے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن البجارہ کے طول و عرض سے ہزاروں آدمی ملکۂ عائشہ کے جنازے کے لیے جمع ہو چکے تھے۔

فرڈی نینڈ کی سوچ

ابوالقاسم طلیطلہ کے شاہی محل میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کی مسند کے سامنے مؤدب کھڑا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ بادشاہ اور ملکہ نے تخلیے میں بھی اسے اپنے سامنے بیٹھنے کی دعوت نہیں دی تھی۔

چند ثانیے وہ سرد مہری سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ بالآخر فرڈی نینڈ نے کہا۔ "ہمیں ابوعبداللہ کی ماں کی وفات کی خبر سے تین دن بعد غرناطہ سے تمھاری روانگی کی اطلاع مل چکی تھی، لیکن ہمارا خیال تھا کہ تم البجارہ کے تازہ حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارے پاس آؤ گے؟"

"عالیجاہ!" اس نے جواب دیا "البجارہ سے خبر رسانی کے متعلق میرے انتظامات اتنے مکمل ہیں کہ وہاں کے معمولی معمولی واقعات بھی میری نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ غرناطہ سے روانگی سے قبل میں نے گورنر سے ملاقات کی تھی اور ان کا بھی یہی خیال تھا کہ موجودہ حالات میں میرا آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے۔"

ملکۂ ازابیلا نے کہا "ابوالقاسم! تم نے گزشتہ ملاقات میں ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم کسی دن ہمارے پاس یہ خوشخبری لے کر آؤ گے کہ اندلس کی

زمین ابوعبداللہ کے وجود سے پاک ہو چکی ہے؟"

"ملکۂ عالیہ! مجھے اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے جس وقت کا انتظار تھا، وہ آ چکا ہے۔ ملکۂ عائشہ کی وفات سے آپ کے غلام کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ دُور ہو چکی ہے۔ اب میں کسی مزاحمت کا خطرہ محسُوس کیے بغیر ابوعبداللہ سے وہ بات کہہ سکتا ہوں جو اس کی ماں کی زندگی میں نہیں کہی جا سکتی تھی۔ مجھے ملکۂ عائشہ سے یہ خدشہ ہو سکتا تھا کہ اگر اس پر معاہدے کے خلاف کوئی نیا فیصلہ ٹھونسنے کی کوشش کی گئی تو وہ پوری شدت کے ساتھ مزاحمت کرے گی اور ابوعبداللہ بھی اس کے ذہن سے سوچنے پر مجبور ہو جائے گا۔ وہ الفجارہ کے جنگجو قبائل کو بھی بغاوت پر آمادہ کر سکتی تھی لیکن اب میں ابوعبداللہ کو قسطلہ کی ملکہ کی آخری خواہش کے احترام پر مجبور کر سکتا ہوں۔ میں اسے مستقبل کا وہ نقشہ دکھا سکتا ہوں کہ وہ رضاکارانہ طور پر افریقہ چلا جائے اور الفجارہ کے قبائل کو اس بات کا احساس بھی نہ ہو کہ بادشاہ سلامت یا ملکۂ عالیہ کی طرف سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی ہوئی ہے۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "تمھیں معلوم ہے کہ اگر ابوعبداللہ خاموشی سے مراکش چلا جائے تو اسپین کی آئندہ نسلیں تمھیں اپنا عظیم ترین محسن سمجھیں گی اور مستقبل کے مؤرخ جہاں ہماری فتوحات کا ذکر کریں گے وہاں تمھاری خدمات کو بھی فراموش نہیں کریں گے۔"

"عالیجاہ! ایک غلام اپنے آقا کی خوشنودی سے زیادہ کسی اور انعام کی تمنا نہیں کر سکتا۔"

"ابوالقاسم! بیٹھ جاؤ!! ہم تمھیں اپنا غلام نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے ہیں۔"

ابوالقاسم پیچھے ہٹ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ملکۂ ازابیلا جو اس ملاقات کے دوران پہلی بار مسکرانے کی کوشش کر رہی تھی، بولی "ابوالقاسم! ہم نے تمھاری سابقہ خدمات فراموش نہیں کیں، لیکن ہم یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم کب تک اپنی آخری ذمہ داری پوری کر سکو گے؟"

"ملکۂ عالیہ! اگر مجھے حکومت کے خزانے سے ابوعبداللہ کی جاگیر کی قیمت ادا کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو میری واپسی سے چند دن بعد آپ یہ خوشخبری سُنیں گی کہ آپ کا غلام اپنا آخری فرض ادا کر چکا ہے۔ اگر غرناطہ کے حاکم کو اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار ہوتا تو مجھے یہاں آنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن انھیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ابوعبداللہ کے متعلق آپ کی خواہشات کیا ہیں۔ مینڈوزا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنی طرف سے طلیطلہ کے دربار میں کوئی ایسی تجویز پیش نہیں کر سکتا جس سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔"

"تمھیں یقین ہے کہ ابوعبداللہ الفجارہ میں اپنی جائیداد فروخت کرنے پر آمادہ ہو جائے گا؟"

"عالیجاہ! مجھے یقین ہے۔"

"لیکن تم جانتے ہو کہ گزشتہ جنگ کے باعث ہمارے خزانے خالی ہو چکے ہیں اور ہم ابوعبداللہ کو منہ مانگی قیمت ادا نہیں کر سکتے۔"

"عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ آپ کی طرف سے زادِ راہ کے طور پر معمولی رقم بھی بہت بڑا انعام سمجھے گا۔ اگر مینڈوزا کو حکم دیں تو غرناطہ کے خزانے سے بھی اس رقم کا انتظام ہو سکتا ہے۔ پھر یہ رقم شاہی

خزانے پر بوجھ نہیں ہوگی اور جو رقم آپ ابوعبداللہ کو عطا کریں گے اس سے کہیں زیادہ اس کی جاگیر فروخت کر کے وصول کی جاسکے گی۔"

"اگر غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم دستیاب ہو سکتی ہے تو تمھیں کل ہی غرناطہ کے گورنر کے نام ہمارا حکم مل جائے گا۔ اسے یہ بھی ہدایت کر دی جائے گی کہ سلطنت کی بہتری کے لیے تمھیں ہر وقت غرناطہ کے خزانے سے مطلوبہ رقم نکلوانے کی اجازت ہے۔ تمھارے خیال میں ابوعبداللہ کی اشک شوئی کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہوگی؟"

"عالیجاہ! میری کوشش یہی ہوگی کہ اس کے ساتھ حضور کا آخری سودا زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ڈوکٹ میں ہی چکا دیا جائے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں اس رقم سے بھی کچھ بچا لوں۔"

ملکہ ازابیلا نے حیرت زدہ ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "صرف ایک لاکھ ڈوکٹ؟ ابوالقاسم! اگر اس سے ہماری اُلجھن دُور ہوسکتی ہے تو ابوعبداللہ کی جاگیر تمھارا انعام ہوگی اور جتنی رقم تم بچا سکو گے وہ بھی تمھاری ہوگی۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "نہیں ملکہ! ہسپانیہ کی تاریخ کا یہ معمار، جس نے ہمارے لیے غرناطہ کے دروازے کھولے تھے، اس سے بہتر انعام کا حق دار ہے۔ البجارہ میں اس کو ہم نے ابوعبداللہ کی جاگیر کے پاس جو جاگیر دی ہے، وہ اس کی خدمات کا صلہ نہیں تھا، بلکہ اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اس بہانے ابوعبداللہ اور اس کے حامیوں کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھی جائے۔ جب ابوعبداللہ رخصت ہو جائے گا تو ابوالقاسم کو زیادہ اہم ذمہ داریاں سونپی جائیں گی اور ہم اس کی خداداد صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھانے

کی کوشش کریں گے، لیکن اس وقت تو ہمارے مہمان کو آرام کی ضرورت ہے۔"

اس کے بعد مجلس برخاست ہو چکی تھی اور ابوالقاسم شاہی مہمان خانے کا رُخ کر رہا تھا۔

فرڈی نینڈ کچھ دیر کسی گہری سوچ میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

ملکہ نے پوچھا "آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں!" فرڈی نینڈ نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کو یقین ہے کہ ہمیں ابوعبداللہ سے نجات مل جائے گی؟"

"ملکہ! ابوعبداللہ سے ہمیں اُسی دن نجات مل گئی تھی جب وہ غرناطہ سے رُخصت ہوا تھا۔"

"تو پھر آپ کس بات سے فکرمند ہیں؟ کیا آپ کو ابوالقاسم کے وعدوں پر یقین نہیں ہے؟"

"میں اس کی آمد کی اطلاع پاتے ہی سمجھ گیا تھا کہ اب ابوعبداللہ سے نجات حاصل کرنے کا وقت آچکا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ اہم مسئلہ اس آدمی سے نجات حاصل کرنا ہے جو بھیڑیے سے زیادہ خونخوار اور لومڑی سے زیادہ مکار ہے۔ میں اس کتے کی وفاداری پر کیسے یقین کر سکتا ہوں جس نے اپنے ہی مالک کو کاٹ کھایا ہو۔ اپنی قوم کے دشمن غیروں کے کیونکر دوست ہو سکتے ہیں۔"

"لیکن اب ہمارے لیے اس کی دوستی یا دشمنی کیا اہمیت رکھتی ہے وہ جس سلطنت کا وزیر تھا، وہ مٹ چکی ہے۔ وہ جس قوم کا فرد تھا اس پر ہم

مکمل فتح حاصل کرچکے ہیں۔ آپ اس درندے کے متعلق فکر مند کیوں ہیں جس کو ہم ہر وقت پنجرے میں بند کرسکتے ہیں۔"

"ازابیلا! ہماری یہ خوش قسمتی ہے کہ ابوالقاسم نے اپنا مستقبل ہمارے ساتھ وابستہ کرلیا ہے۔ فرض کرو کہ کسی دن اس کے دل میں یہ خیال آجائے کہ اس کے مقاصد کسی اور کا ساتھ دینے سے زیادہ پورے ہوسکتے ہیں تو وہ ہمارے لیے کتنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ جب ہم اس سے ابو عبداللہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے تو ہمیں بار بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر یہ شیطان یہاں آنے کی بجائے ترکوں کے امیرالبحر اور ساحلِ بربر کے جہازرانوں کے پاس پہنچ جاتا تو ہماری تباہی کے لیے اس کی تجاویز کیا ہوتیں؟"

ملکہ نے بے قرار ہو کر کہا "خدا کے لیے مجھے پریشان نہ کیجیے! میرے نزدیک ہسپانیہ کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسے آپ حل نہ کرسکیں۔ آپ نے غرناطہ کی ٹکسال کے ایک کھوٹے سکّے سے وہ کام لیا ہے جو کسی اور کے لیے اس ملک کی ساری دولت لٹا دینے کے بعد بھی ممکن نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جب آپ یہ محسوس کریں گے کہ اب آپ کو اس کھوٹے سکّے کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اس کو غائب کر دینے میں آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔"

فرڈی نینڈ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور ازابیلا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کے سر سے ایک پہاڑ کا بوجھ اتر چکا ہے۔

غدّاری کا صِلہ

طلوعِ آفتاب کے وقت ایک لڑکی ملکۂ عائشہ کی قبر پر جنگلی پھول چڑھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ رہی تھی اور قبرستان کی شکستہ دیوار سے باہر ایک حبشی لڑکا زیتون کے درختوں کے قریب دو گھوڑوں کی لگامیں تھامے ہوئے کھڑا تھا۔ لڑکی کا چہرہ نقاب میں چھُپا ہوا تھا اور قبرستان کی خاموش فضا میں اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ چند قدم دُور تین مجاور اپنی کوٹھریوں کے باہر کھڑے تھے۔ ایک لڑکا جنوب کی طرف سے بھاگتا ہوا اُن کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "سلطانِ معظم تشریف لا رہے ہیں۔"

مجاور جلدی سے اس پگڈنڈی کی طرف بڑھے جو قبرستان کی طرف آتی تھی۔ انھیں بلند ٹیلے کے نشیب میں آٹھ سوار دکھائی دیے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ قبرستان کے قریب پہنچ کر گھوڑوں سے اتر پڑے۔ ایک آدمی نے ابوعبداللہ کے سفید گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ باقی مجاوروں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ ابوعبداللہ نے ان کے سلام کا جواب دینے کے بعد اپنی جیب سے چند سکّے نکال کر ایک بوڑھے مجاور کے ہاتھ میں تھما دیے

اور آگے بڑھ گیا۔

قبرستان کے اندر چند قدم چلنے کے بعد اپنی ماں کی قبر پر ایک اجنبی لڑکی کو دیکھ کر وہ رُکا اور کچھ دیر تذبذب کی حالت میں کھڑا رہا۔

بوڑھا مجاور بھاگ کر اس کے قریب پہنچا اور اس نے کہا "عالی جاہ! یہ لڑکی اکثر ملکہ کی قبر پر پھول چڑھانے آتی ہے۔"

"تمھیں معلوم ہے وہ کون ہے؟"

"عالیجاہ! ہم نے اکثر اسے ابوالقاسم کے قلعے کی طرف سے آتے جاتے دیکھا ہے۔ پہلے وہ دوسری عورتوں کے ساتھ پیدل آیا کرتی تھی اور اب گھوڑے پر سوار ہو کر آتی ہے اور وہ حبشی لڑکا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے وہ ابوالقاسم کے کسی رشتے دار کی بیٹی ہے ——— اگر حضور کا حکم ہو تو میں اس سے پوچھ لوں کہ وہ کون ہے؟"

"نہیں!" ابوعبداللہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "اسے اطمینان سے فاتحہ پڑھنے دو۔ میری ماں کو ایسے پُرخلوص لوگوں کی دُعاؤں کی ضرورت ہے۔"

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ابوعبداللہ جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور قبر کے قریب جانے کی بجائے اس نے پندرہ بیس قدم دور رُک کر دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے۔

لڑکی دُعا ختم کرنے کے بعد مُڑی اور ٹھٹھک کر ابوعبداللہ کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر چند ثانیے توقف کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے ساتھی کی طرف بڑھی، اور ایک درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد جب ابوعبداللہ اپنی ماں کی قبر پر سر جھکائے کھڑا تھا تو

لڑکی درخت کی اوٹ سے نکلی اور جھجکتی ہوئی اس کے قریب پہنچی:

"عالیجاہ!" اس نے مغموم لہجے میں کہا "میں آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔"

ابوعبداللہ نے چونک کر پیچھے دیکھا اور بولا "ایک جلاوطن بادشاہ اپنی قوم کی ایک نیک دل بیٹی کی کون سی خواہش پوری کر سکتا ہے؟"

"عالیجاہ! یہ لیجیے!" لڑکی نے جھجکتے ہوئے قیمتی موتیوں کا ایک ہار ابوعبداللہ کو پیش کرتے ہوئے کہا "آپ کی قوم کے مجاہد کی ایک بیوہ اس ہار پر ہمیشہ فخر کیا کرتی تھی۔ جس دن الحمرا سے اس کے شوہر کی شہادت کی خبر ملی تھی، اسی دن بڑی ملکہ بذاتِ خود اس کی دل جوئی کے لیے آئی تھیں اور انھوں نے اپنا یہ ہار اتار کر اس کے گلے میں ڈال دیا تھا ——— عالیجاہ! یہ بیوہ خاتون میری ماں تھیں۔ انھوں نے آخری سانس لینے سے پہلے یہ ہار میرے گلے میں ڈال دیا تھا۔ اب میں بڑے ادب سے یہ تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ اس ہار کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہو، وہ ملکۂ عالیہ کے مزار کی تعمیر پر خرچ کی جائے۔"

ابوعبداللہ کے دل پر چرکہ لگا۔ اس نے کرب ناک لہجے میں کہا "نہیں! میں ایک یتیم لڑکی سے اپنی ماں کا تحفہ واپس نہیں لے سکتا۔"

لڑکی ادب سے بولی "میرا مقصد آپ کی دل آزاری نہ تھا۔ اگر مجھے الفجارہ میں آپ کے حالات کا علم نہ ہوتا تو میں یہ جرأت نہ کرتی۔"

ابوعبداللہ نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے کہا "بیٹی! میں اتنا تہی دست نہیں کہ اپنی ماں کے لیے ایک چھوٹا سا مقبرہ بھی تعمیر نہ کر سکوں اگر میرے پاس کچھ نہ ہوتا تو بھی الفجارہ کے مسلمان کم از کم میری اعانت ضرور کرتے

میرے پاس الفجارہ کے علاوہ غرناطہ اور دوسرے علاقوں سے بھی کئی وفود مالی اعانت کی پیش کش لے کر آئے لیکن میری ماں کی آخری خواہش یہی تھی کہ اُن کے لیے کوئی مقبرہ تعمیر نہ کیا جائے۔ اگر آج ان کی روح ہم سے ہمکلام ہو سکتی تو وہ یقیناً یہی کہتیں کہ میرے لیے ایک نیک دل لڑکی کی پرخلوص دُعائیں اور پھولوں کا تحفہ موتیوں کے اس ہار سے کہیں زیادہ قیمتی ہے۔ میں تمھارا شکرگزار ہوں۔ یہ ہار اپنے گلے میں ڈال لو!"

لڑکی چند لمحے سر جھکائے کھڑی رہی۔ اچانک ابوعبداللہ نے موتیوں کا ہار پکڑ کر اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہا "تم ابوالقاسم کے گھر سے آئی ہو؟"

"جی ہاں! بادشاہ سلامت!!" اس نے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "ابوالقاسم دور کے رشتے سے میرے ماموں جان اور مصعب میرے خالو ہیں۔"

"اور مصعب کو یہ معلوم ہے کہ تم یہاں آیا کرتی ہو؟"

"عالیجاہ! میں اپنے باپ کی بیٹی ہوں اور یہاں آنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ مصعب خالو کے طرزِ عمل کے خلاف آپ کو کوئی شکایت ہو سکتی ہے لیکن میری خالہ اور خالو میری والدہ پر ملکۂ عالیہ کے احسانات نہیں بھول سکتے۔ جب میں گھر سے نکلتی ہوں تو مصعب خالو کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں قبرستان کی طرف جا رہی ہوں۔ ایک مرتبہ وہ خود بھی میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اُن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔"

"تمھارا نام سعاد ہے؟" ابوعبداللہ نے سوال کیا۔

"جی ہاں!"

"میری ماں تمھاری بہت تعریف کیا کرتی تھیں۔"

سعاد نے آنکھوں میں آنسو پیتے ہوئے کہا "ان کی شفقت میرے لیے بہت بڑا سہارا تھی۔ مجھے مرتے دم تک یہ ندامت رہے گی کہ میں علالت کے ایام میں اُن کی کوئی خدمت نہ کر سکی۔"

"اچھا بیٹی! خدا حافظ!! جب تک تم جیسی لڑکیاں میری ماں کو اپنی دُعاؤں کا مستحق سمجھیں گی، انھیں یہ شکایت نہیں ہو گی کہ اندلس کی زمین سے اُن کا نام و نشان مٹ چکا ہے۔"

سعاد نے خدا حافظ کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ قبرستان سے باہر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہی تھی۔



ایک رات ابوعبداللہ اپنے محافظ دستے کے سالار کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا کہ ایک ملازم کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "عالیجاہ! ابوالقاسم غرناطہ سے واپس آ گئے ہیں۔"

"وہ کہاں ہے؟" ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"عالیجاہ! وہ اپنے گھر میں ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے شام کے وقت پندرہ بیس سواروں کو اُن کے گھر کا رُخ کرتے دیکھا تھا۔"

"تمھیں یقین ہے کہ ابوالقاسم ان کے ساتھ آیا ہے؟"

"جی ہاں! ہمارے آدمی غرناطہ کے راستے کی ایک بستی سے اس بات کی تصدیق کر چکے ہیں۔"

"لیکن ابوالقاسم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ وہ سیدھا یہاں کیوں نہیں آیا؟" ابوعبداللہ بے چارگی کی حالت میں اپنے بوڑھے ساتھی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اُس نے کہا "عالیجاہ! ممکن ہے کہ اس نے رات کے وقت آپ کو جگانا اور تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سفر کی تھکاوٹ کے باعث وہ گھر پہنچتے ہی اپنے بستر پر دراز ہو گیا ہو۔"

لیکن یہ الفاظ ابوعبداللہ کی تسلی نہ کر سکے اس نے ملازم کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم پہرے داروں کو یہ ہدایت کر دو! کہ وہ اسے یہاں پہنچتے ہی ہمارے پاس لے آئیں۔"

ملازم کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابوعبداللہ کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر وہ کھیل میں مصروف ہو گیا۔ یکے بعد دیگرے شطرنج کی دو بازیاں ہارنے کے بعد اس کی طبیعت اچاٹ ہو گئی تو اس نے کھیل ختم کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا "اب شاید وہ صبح سے پہلے یہاں نہ آسکے۔ اس لیے تم جا کر آرام کرو۔"

بوڑھا سالار اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا اور ابوعبداللہ دیر تک بے چینی کے عالم میں ٹہلتا رہا۔ اس کے بعد وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوا اور اپنے بستر پر لیٹ گیا، لیکن ذہنی اضطراب کی وجہ سے اسے دیر تک نیند نہ آئی۔

پھر جب ملکہ اس کے ہاتھ پکڑ کر جگانے کی کوشش کر رہی تھی تو اس نے آنکھیں کھولتے ہی پوچھا "ابوالقاسم آگیا ہے؟"

"نہیں!" ملکہ نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

ابوعبداللہ بستر سے اُٹھ کر ننگے پاؤں دریچے کی طرف بڑھا اور پردہ اُٹھا

کر باہر جھانکتے ہوئے بولا "اب بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"عالیجاہ! آپ بہت دیر سوئے ہیں۔"

"اس نے کوئی اطلاع بھی نہیں بھیجی؟"

"ابوالقاسم نے؟"

"آپ کو معلوم نہیں کہ وہ اپنے گھر پہنچ چکا ہے؟"

"مجھے صبح ہوتے ہی اطلاع مل گئی تھی۔"

"آپ میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔"

"آپ اُس کے پاس جانا چاہتے ہیں؟" ملکہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

ابوعبداللہ نے قدرے تلخ ہو کر جواب دیا "جی ہاں! آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

ملکہ نے جواب دیا "جب تک آپ کی والدہ زندہ تھیں، مجھے ایسی باتوں کے متعلق سوچنے کی کبھی ضرورت نہ تھی اور اب میں آپ سے کوئی بات کہنا چاہتی ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ کا بوجھ صرف پہاڑ ہی اُٹھا سکتا ہے۔ اگر آپ مجھے اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری کرنے کی اجازت دیں تو میں یہ عرض کروں گی کہ سلطان ابوالحسن اور ملکہ عائشہ کا بیٹا اور میرے سرتاج اُس غدار کے گھر نہیں جا سکتے۔ میں آپ کے ساتھ افریقہ کی خاک چھاننے کے لیے تیار ہوں، لیکن یہ توہین ہرگز برداشت نہیں کر سکتی! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنی آمد کی اطلاع بھی نہ دے اور آپ اس کے گھر پہنچ جائیں۔"

ابوعبداللہ کچھ دیر سر جھکائے سوچتا رہا اور پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی اور اُس نے محافظ دستے کے سالار

کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ وزیر ابوالقاسم آرہا ہے۔

سلطان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا "ملکہ! اب آپ کا کیا حکم ہے؟"

ملکہ نے آبدیدہ ہو کر کہا "عالیجاہ! میں تو محض التجا کر سکتی ہوں اور میری التجا اتنی ہی ہے کہ آپ پہلے اطمینان سے ناشتہ کریں اور ملاقات کے دوران اسے یہ احساس نہ ہونے دیں کہ آپ ایک غدار سے بغلگیر ہونے کے لیے اس قدر بے تاب تھے۔"



ایک ساعت بعد ابوعبداللہ بالائی منزل سے نیچے اُترا تو زینے کے سامنے اس کے محافظ دستے کا سالار اور چند دوسرے مسلح آدمی کھڑے تھے۔

سالار نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "عالیجاہ! ابوالقاسم کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ چند نصرانی فوجی بھی آئے ہیں۔ میں نے مسلح آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ ابوالقاسم نے بھی اصرار نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ وہ آپ کے لیے قیمتی تحائف لائے ہیں۔ ہم نے آٹھ صندوق خچروں سے اُتروا کر ملاقات کے کمرے میں رکھوا دیے ہیں۔"

ابوعبداللہ کچھ کہے بغیر ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ ابوالقاسم کرسی سے اٹھا اور گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "عالیجاہ! مجھے عمر بھر اس بات کا ملال رہے گا کہ میں ملکۂ عالیہ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ حالات ایسے تھے کہ مجھے اچانک طلیطلہ جانا پڑا۔ میں علی الصباح فاتحہ خوانی اور دُعائے

مغفرت کے لیے ان کی قبر پر گیا تھا اور مجھے بار بار یہ خیال پریشان کرتا ہے کہ کاش! ان کی آخری آرام گاہ ان کی شان کے شایان ہوتی۔"

ابوالقاسم کی زبان سے ہمدردی کے چند رسمی الفاظ نے ابوعبداللہ کے سارے گلے دُور کر دیے اور اُس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "ابوالقاسم! آپ تشریف رکھیں!! مجھے رات کے وقت آپ کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی۔"

"عالیجاہ! میں گھر پہنچتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا تھا مگر رات کے وقت آپ کے آرام میں مخل ہونے کی جُرأت نہ ہوئی۔ میری فروگزاشت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ فرڈی نینڈ نے مجھے آپ کی خدمت میں ایک نذرانہ پیش کرنے کا حکم دیا تھا اور رات کی تاریکی میں اس پہاڑی راستے پر باربرداری کے خچروں کو یہاں پہنچانا مشکل تھا۔ میں خود بھی بہت تھک چکا تھا۔ فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو بھی ملکۂ عالیہ کی وفات کی خبر سُن کر بہت صدمہ ہوا اور اُن کی یہ خواہش تھی کہ اب اگر الفجارہ میں آپ کا جی نہ لگے تو آپ کو پورے احترام کے ساتھ رُخصت کیا جائے اور آپ کو یہ احساس نہ ہونے دیا جائے کہ آپ الفجارہ میں قیام کے دوران اپنی ساری پونجی لُٹا چکے ہیں۔"

ابوعبداللہ کو اچانک یہ محسوس ہوا کہ ایک معصوم بھیڑ کی کھال کے اندر ایک بھیڑیا چھپا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر تو اس کے مُنہ سے آواز تک نہ نکل سکی بالآخر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا "ابوالقاسم! اگر تم فرڈی نینڈ کی طرف سے کوئی نیا منصوبہ لے کر میرے پاس آئے ہو تو صاف صاف بات کرو!"

"عالیجاہ! آپ کو میرے خلوص کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ میں نے صرف آپ کی خاطر طلیطلہ کا سفر اختیار کیا تھا اور جب آپ یہ صندوق کھول کر دیکھیں گے تو آپ کو یہ شکایت نہیں ہوگی کہ میں

ناکام لوٹا ہوں۔ میں آپ کے لیے اسی ہزار "دوکٹ" کا نذرانہ لایا ہوں، مجھے اس بات کا بہت افسوس تھا کہ آپ کی پونجی ختم ہو چکی ہے اور جو تھوڑے بہت آدمی آپ کے پاس رہ گئے ہیں انھیں آپ پوری تنخواہ بھی نہیں دے سکتے۔ یہ جاگیر آپ کے گزارے کے لیے کافی نہیں اور آپ اسی ہزار دوکٹ کے عوض مراکش یا الجزائر میں اس سے زیادہ زمین حاصل کر سکتے ہیں۔"

ابوعبداللہ کی رگوں کا سارا خون منجمد ہو کر رہ گیا۔ کچھ دیر وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ابوالقاسم کی طرف دیکھتا رہا پھر اچانک غصے سے کانپتا ہوا اُٹھا اور اپنا خنجر نکال کر بلند آواز میں چلایا "ذلیل آدمی! تم غدار ہو!! تم وہ سانپ ہو جو مجھے کئی بار ڈس چکا ہے، لیکن اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

ابوالقاسم نے جلدی سے اُٹھ کر ایک طرف ہٹتے ہوئے کہا "عالیجاہ! آپ کو مجھ پر ہاتھ اُٹھانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح سوچ لینی چاہیے کہ مجھے قتل کرنے کے بعد آپ کا انجام کیا ہوگا؟ ـــــ البشارہ کے قبائل آپ سے نفرت کرتے ہیں۔ انھیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ اندلس چھوڑنے کے بعد آپ کہاں جائیں گے، لیکن میں اُن کی آخری ڈھال ہوں اور میری موت کے بعد ان پر جو تباہی نازل ہوگی، اُس کی ساری ذمہ داری آپ پر ڈالی جائے گی۔ صرف البشارہ پر ہی تباہی نہیں آئے گی بلکہ غرناطہ کی گلیاں بھی بے گناہ مسلمانوں کے خون سے بھر جائیں گی۔ کیا آپ مجھے اس بات کی سزا دینا چاہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں آپ کے مستقبل کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ ـــــ ـــ ابوعبداللہ! میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ میرے بعد آپ کو آئے دن نئے

آلام و مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور آپ کسی دن تنہا نہیں رہ جائیں گے تو میں آپ کو ہجرت کرنے کا مشورہ نہ دیتا۔ جب آپ نے فرڈی نینڈ کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینے کے لیے غرناطہ چھوڑ دیا تھا تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ اس کے بعد وہ معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، لیکن تنگ نظر راہبوں نے اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو مطمئن کرنے کی ہر امکانی کوشش کر چکا ہوں مگر ان کے ذہن سے کلیسا کے زہریلے اثرات زائل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

ابوعبداللہ کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنا خنجر پیچھے ہٹا لیا اور کہا "اب بھی کوئی بدبخت میرے متعلق یہ سوچ سکتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں؟"

"آپ اپنی قوم کو اپنی بے بسی اور بے چارگی کا احساس دلا سکتے ہیں، مگر کلیسا کے راہب جنھوں نے الحمرا کی شان دیکھی ہے، انھیں یہ اطمینان کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آپ البشارہ میں تھوڑی سی زمین پر قانع رہ سکتے ہیں میں ان کا یہ خدشہ کیسے دور کر سکتا ہوں کہ کسی دن آپ ترک اور بربر افواج کی اعانت سے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت واپس لینے کی کوشش کریں گے؟ ـــــ عالیجاہ! آپ کا خادم آپ کے احساسات سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اس وقت میری گفتگو سے آپ کو تکلیف ضرور ہوگی، لیکن جب آپ افریقہ کے کسی ملک کی آزاد فضاؤں میں سانس لیں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ جلد از جلد اس گرداب سے نکل جائیں۔ اگر آپ کو مستقبل کی الجھنوں اور مصیبتوں سے نجات دلانے کی اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں آ سکتی تو میں یہاں نہ آتا آپ یہ کہہ سکتے

ہیں کہ میں آپ کی توقعات پوری نہیں کر سکا، لیکن خدا شاہد ہے کہ میں نے دانستہ طور پر آپ سے کوئی برائی نہیں کی۔ ہم زمانے کے گرداب میں پھنس گئے ہیں۔ مجھے اپنی فکر نہیں لیکن آپ کو اس گرداب سے نکالنا میں اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں —— میں آپ کے پاس فرڈی نینڈ کی طرف سے کوئی حکم لے کر نہیں آیا۔ اگر آپ یہیں رہنے پر بضد ہوں تو میں خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا اور مرتے دم تک اپنے حصے کا بوجھ اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ فرڈی نینڈ کو بھی اس بات کا کوئی ملال نہیں ہوگا کہ آپ نے اسی ہزار کا نذرانہ رد کر دیا ہے۔ وہ کچھ عرصہ اور آپ کو اپنے مستقبل کے متعلق سوچنے کا موقع دے گا لیکن کسی نہ کسی دن ملکہ ازابیلا اور خداوندانِ کلیسا کی خواہشات اس کی ذاتی مصلحتوں پر غالب آجائیں گی اور پھر آپ کے پاس وہ ایلچی آئیں گے جن کی زبان میری زبان سے زیادہ سخت ہوگی اور آپ انھیں خنجر دکھا کر مرعوب نہیں کر سکیں گے۔"

ابوعبداللہ کی حالت اس آدمی کی سی تھی جس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر سمندر میں پھینک دیا گیا ہو —— وہ لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا "ابوالقاسم! میں اپنے قاتل کو اپنی کھال اتارنے کی لذت سے محروم نہیں کروں گا —— مجھے بحری سفر کا انتظام کرنے کے لیے صرف چند ہفتوں کی مہلت درکار ہے۔"

"عالیجاہ! میں نے ایک انتہائی ناخوشگوار فرض ادا کیا ہے۔ اب آپ کے لیے بحری سفر کا انتظام فرڈی نینڈ کی ذمہ داری ہے اور میں اس سے یہ وعدہ لے کر آیا ہوں کہ آپ کے لیے سرکاری جہاز فراہم کیے جائیں گے اور آپ کو شاہانہ اعزاز کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔"

"نہیں! فرڈی نینڈ کو میرے لیے جہاز مہیا کرنے کی ضرورت نہیں میں اپنے لیے انتظام کر سکتا ہوں۔ کل میرا ایلچی مراکش روانہ ہو جائے گا اور مجھے یقین ہے کہ مراکش کا حکمران اپنے جہاز بھیجنے کے لیے میری درخواست رد نہیں کرے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے راستے میں ہی کوئی جہاز مل جائے۔ مجھے صرف اتنی اجازت چاہیے کہ میں کسی قریب ترین بندرگاہ سے سوار ہو سکوں۔"

"عالیجاہ! میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ جو جہاز آپ کو لینے کے لیے آئیں ان سے کوئی مزاحمت نہیں کی جائے گی۔ اگر مراکش کا حکمران آپ کو پناہ دینے پر آمادہ ہو تو فرڈی نینڈ کو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ ہاں! وہ ترکوں کے کسی جہاز کو ساحل کے قریب آنے کی اجازت نہیں دیگا۔"

"ترکوں کو اندلس کے ساحل تک پہنچنے کے لیے فرڈی نینڈ کی اجازت کی ضرورت نہیں، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ میری ذلت اور رسوائی دیکھیں تم فرڈی نینڈ کو میری طرف سے یہ اطمینان دلا سکتے ہو کہ مراکش کے علاوہ کسی اور ملک میں جائے پناہ تلاش نہیں کروں گا۔ اگر تم مالقہ میں بحری فوج کے کسی افسر کو جانتے ہو تو اس کے نام یہ خط لکھ دو کہ میرے ایلچی کو مراکش کے ساحل پر اتار دیا جائے۔"

"عالیجاہ! فرڈی نینڈ کا ایک خاص آدمی طلیطلہ سے میرے ساتھ آیا ہے اور کل علی الصباح آپ کے ایلچی کو مالقہ کے کسی ذمہ دار افسر کے نام اس کا خط مل جائے گا۔"

"تم کتنے فرض شناس ہو ابوالقاسم! تمھارا کوئی انتظام ادھورا نہیں ہوتا۔ سچ کہو! تم مجھے کتنے دنوں تک یہاں سے نکالنے کا وعدہ کر کے آئے

ہو ؟" ———

"عالیجاہ! اب ایسی تلخ باتوں سے کیا فائدہ؟ میں جانتا ہوں کہ میں ایک انتہائی ناخوشگوار فریضہ انجام دے رہا ہوں۔"

"تم کب تک یہاں ٹھہرو گے؟"

"اگر آپ اجازت دیں تو دو تین دن آرام کرنے کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"مجھے رخصت ہوتے نہیں دیکھو گے؟"

"عالیجاہ! اگر حالات نے اجازت دی تو ہو سکتا ہے کہ میں چند دنوں تک واپس آجاؤں، ورنہ ساحل پر ہماری ملاقات ضرور ہو گی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک ضروری بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو!"

"عالیجاہ! الفجارہ میں یہ خبر مشہور نہیں ہونی چاہیے کہ آپ جا رہے ہیں!"

"تمہارا خیال ہے کہ الفجارہ میں بغاوت ہو جائے گی؟"

"نہیں! لیکن لوگ آپ کو پریشان ضرور کریں گے۔"

"تم فرڈی نینڈ کو یہ اطلاع بھیج سکتے ہو کہ جب تک میں یہاں سے روانہ نہیں ہو جاتا، میرے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں کے سوا کسی کو یہ بھی معلوم نہیں ہو گا کہ آج ہمارے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں۔"

ابوالقاسم کرسی سے اٹھ کر بولا "اب مجھے اجازت دیجیے! انشاء اللہ میں اپنے قیام کے دوران ہر روز یہاں حاضری دینے کی کوشش کروں گا۔"

ابوعبداللہ نے اٹھ کر مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا، لیکن جب وہ

مصافحہ کر کے دروازے کی طرف بڑھا تو اچانک ابوعبداللہ کے دل میں کوئی خیال آیا اور اس نے کہا "ابوالقاسم! ٹھہرو! میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ابوالقاسم مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا "فرمائیے!"

ابوعبداللہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ جب میں یہاں سے ہجرت کر جاؤں گا اور فرڈی نینڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ تم اس کی اہم ترین ضرورت پوری کر چکے ہو تو ملکہ ازابیلا یا کلیسا کے اکابر اسے یہ سوچنے پر تو مجبور نہیں کر دیں گے کہ اب کسی چھوٹے کام کے لیے ایک بڑے آدمی کی ضرورت باقی نہیں رہی ——— میرا مطلب یہ ہے کہ مجھ جیسا احمق یہاں رہ کر بھی اس کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں ہو سکتا تھا، لیکن جب اسے یہ احساس ہو گا کہ تم ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہو اور تمہاری ذہانت اس کے لیے بھی کوئی خطرہ پیدا کر سکتی ہے تو وہ کتنا عرصہ تمہارے ساتھ نباہ کر سکے گا؟"

ابوالقاسم کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ چند ثانیے اضطراب کی حالت میں ابوعبداللہ کی طرف تکتا رہا۔ بالآخر ڈوبتی ہوئی آواز میں بولا "میں نے اپنی استعداد کے مطابق اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہیں اور یہ مسئلہ میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے کہ میرا انجام کیا ہو گا۔"

ابوعبداللہ نے آگے بڑھ کر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "میرے دوست! میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہیں۔ پھر بھی ہر راستے کی ایک آخری منزل ہوتی ہے اور مجھ جیسے لوگ جو تاریک اور بے نشان راستوں پر قدم اٹھاتے ہیں کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کی آخری منزل کہاں ہے لیکن تم ایک ہوشیار آدمی ہو، اس کے باوجود میں تمہیں یہ مشورہ دینے کی ضرورت

محسوس کرتا ہوں کہ تمہیں غروبِ آفتاب اور طلوعِ آفتاب کے درمیان ہر لمحہ یہ سوچنا چاہیے کہ وہ رات جو سر پر آچکی ہے کہیں تمہاری آخری رات اور وہ صبح جو اس کے بعد آئے گی کہیں تمہاری آخری صبح نہ ہو ـــــ اب جاؤ! ابوالقاسم!! اگر موقع ملا تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ابوالقاسم قلعے سے باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا اور ابوعبداللہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

شہسوار

چار دن بعد ـــــ ابوالقاسم غرناطہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور سعاد جسے اس کی موجودگی میں گھر سے نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا ـــــ دوسرے روز، صبح ہوتے ہی غرناطہ کی سمت جانے والے کشادہ راستے پر گھوڑا دوڑا رہی تھی ـــــ

یہ راستہ جو قریباً ڈیڑھ میل آگے ایک ٹیلے کے کنارے بل کھاتا ہوا بائیں جانب پہاڑ کے نشیب و فراز میں گم ہو جاتا تھا دائیں طرف نسبتاً تنگ اور دشوار گزار تھا اور ایک ٹیلے کے عقب سے قبرستان کی طرف جاتا تھا۔ حبشی غلام سعاد سے کچھ دور پیچھے آرہا تھا ـــــ ایک موڑ سے نکل کر نسبتاً کشادہ اور ہموار راستے پر اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

قبرستان کے قریب وہ گھوڑے سے اتر کر اپنے ساتھی کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک مجاور بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام لے کر بولا "جناب! آپ کا غلام ساتھ نہیں آیا؟"

"وہ پیچھے آرہا ہے۔"

سعاد پھولوں کا گلدستہ ہاتھ میں لیے آگے بڑھی اور اس نے ملکہ

عائشہ کی قبر پر پھول چڑھانے کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لیے

دُعا ختم کرنے کے بعد وہ تنگ وادی کی ڈھلوان پر گھنے درختوں سے اُن بلند چٹانوں کی طرف دیکھ رہی تھی جن کی برہنہ چوٹیاں سُورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ ایک عقاب فضا میں اُڑ رہا تھا اور اس کی پرواز کے دائرے بتدریج بلند ہو رہے تھے۔ سعاد کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتی رہی۔ جب وہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر رہی تھی تو اچانک اس کی نگاہیں تنگ وادی کے پار قریب ترین چٹان کی چوٹی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔

ایک سوار چوٹی پر نمودار ہوا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد نیچے اُترنے لگا۔ سعاد پہلی نظر میں ہی اندازہ لگا چکی تھی کہ اس کے لیے گھوڑے کے بغیر بھی نیچے اُترنا ممکن نہیں۔ وہ اسے خبردار کرنا چاہتی تھی کہ تم موت سے کھیل رہے ہو، لیکن اس کی آواز سوار کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ وہ اضطراب اور بے بسی کی حالت میں دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُسے اشارہ کر رہی تھی۔ سوار پندرہ بیس گز نیچے اترنے کے بعد گھوڑے سے نیچے کود پڑا اور اس کی لگام پکڑ کر کھینچنے لگا۔

"نہیں! نہیں!!" سعاد پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ اس کا غلام اور قبرستان کے مجاور بھی بھاگتے ہوئے اس کے قریب پہنچے۔

غلام نے کہا "جناب! وہ یقیناً کوئی پاگل ہے لیکن خودکشی کے لیے اسے اپنے ساتھ ایک خوب صورت گھوڑا ہلاک کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آگے ڈھلوان اتنی خطرناک ہے کہ ایک بکری بھی نیچے نہیں اُتر سکتی۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اسے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"خدا کے لیے جاؤ!" سعاد نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

غلام بھاگتا ہوا قبرستان سے نکلا اور گھنے درختوں میں روپوش ہو گیا، سعاد اور تینوں مجاور اس کے پیچھے پیچھے بھاگنے لگے ——— تھوڑی دیر بعد حبشی غلام پوری قوت سے آوازیں دے رہا تھا "خدا کے لیے رک جاؤ! تم نیچے نہیں آ سکتے۔"

بوڑھے مجاور نے سعاد سے کہا "جناب! آپ احتیاط سے چلیے! آگے ایک گہرا کھڈ ہے ——— دیکھیے! اُس نے گھوڑے کو ایک ایسی خطرناک جگہ لا کر چھوڑ دیا ہے جہاں سے اُس کا لوٹنا ممکن نہیں۔"

"لیکن وہ خود کہاں ہے؟" سعاد نے رُک کر چٹان پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

مجاور نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "جناب! اس جھاڑی کی طرف دیکھیے! وہ چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ وہاں تو کھڑا ہونے کے لیے بھی کوئی جگہ نہیں۔ اگر وہ رُک جائے تو شاید اسے کوئی مدد مل سکے، لیکن اب وہ نیچے سرک رہا ہے۔ اس وقت تک آپ کے نوکر کی آوازیں یقیناً اس کے کانوں تک پہنچ چکی ہوں گی۔ وہ پاگل نہیں ہو سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اسے کسی بہت بڑے خطرے یا کسی ایسے مقصد نے اس اقدام پر مجبور کیا ہے جسے وہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتا ہے۔"

سعاد دم بخود ہو کر کبھی اس مصیبت زدہ آدمی اور کبھی اس کے گھوڑے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

اچانک چھ سوار جن کے خود دھوپ میں چمک رہے تھے یکے بعد دیگرے چٹان کی چوٹی سے نمودار ہوئے اور چند لمحے نیچے دیکھنے کے بعد تیر اور پتھر برسانے لگے۔ اجنبی کے سر کے اُوپر چٹان کا کچھ حصّہ باہر کی طرف جھکا ہوا تھا اس لیے

وہ حملہ آوروں کی زد سے محفوظ تھا، مگر اس کا گھوڑا ایک بھاری پتھر سے زخمی ہو کر اُچھلا، گرا اور راستے میں چٹان کے ابھرے ہوئے کناروں سے ٹکراتا ہوا سعاد کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک اس کی خوف ناک آواز فضا میں گونجتی رہی۔

پھر اجنبی کے پاؤں سے ایک پتھر کھسک کر نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی جھاڑی کی ایک شاخ جو اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ رکھی تھی ٹوٹ گئی۔ وہ چٹان کے ساتھ رگڑ کھاتا ہوا چند گز نیچے ایک اور جھاڑی سے لٹک گیا۔ پھر جب جھاڑی کی کمزور شاخیں اس کے بوجھ سے ٹوٹنے لگیں تو اُس نے ایک موٹی سی شاخ پکڑ لی اور اپنے پاؤں ایک پتھر پر جما دیے۔

"اللہ تمھاری مدد کرے! اللہ تم پر فضل کرے!!" سعاد قدم قدم پر دُعائیں مانگتی ہوئی آگے بڑھی، لیکن حبشی غلام بھاگتا ہوا واپس آیا اور اس نے کہا "جناب! آپ آگے نہ جائیں۔ آپ کو درختوں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ مجھے شک ہے کہ یہ وہی نصرانی ہیں جو آقا کے ساتھ آئے تھے اور یہ اجنبی اپنے لباس سے مسلمان معلوم ہوتا ہے۔ اب وہ لوگ اسے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کی جان اسی صورت میں بچ سکتی ہے کہ حملہ کرنے والے اس کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ آدمی جس کے متعلق ہم اس قدر پریشان ہیں، کوئی دشمن ہو، جو ہماری طرف سے کسی ہمدردی کا حق دار نہ ہو ——— اگر آپ اس کا گھوڑا اچھی طرح دیکھ سکتیں تو شاید آپ بھی میری طرح یہی محسوس کرتیں کہ وہ بالکل وزیر اعظم ابوالقاسم کے گھوڑے کی طرح تھا۔"

"تم تو پاگل ہو گئے ہو۔ ہر خوب صورت گھوڑے کو اپنے آقا کی ملکیت سمجھتے ہو!"

غلام کو کچھ اور کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سعاد کی نگاہیں اجنبی پر مرکوز تھیں۔ بوڑھے مجاور نے کہا "جناب! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔"

سعاد نے چوٹی کی طرف دیکھا۔ حملہ آور گھوڑوں کی لگامیں پکڑ رہے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

سعاد نے تھوڑی دیر توقف کے بعد کہا "تمھیں یقین ہے کہ وہ نیچے آ سکے گا؟"

"جناب! اگر اس کی ہمت جواب نہ دے گئی تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ وہ چٹان کے انتہائی خطرناک حصے سے نیچے آ چکا ہے۔ اگر وہ کھڈ تک پہنچ گیا تو ہمارے لیے اسے اس طرف لانا مشکل نہیں ہوگا، لیکن آپ یہیں ٹھہریں!"

"نہیں! میں کھڈ تک تمھارے ساتھ چلوں گی۔"

بوڑھے مجاور نے سعاد کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "جناب! اگر وہ نصرانی ہیں تو جس آدمی کا اُنھوں نے اُس چٹان تک پیچھا کیا ہے، اس کی ہلاکت کے متعلق پورا اطمینان حاصل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ چند دشوار گزار گھاٹیاں عبور کرنے اور ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد وہ اس طرف آ سکتے ہیں، اس لیے ہمیں زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر اندر اجنبی کو وہاں سے نکال کر کسی محفوظ جگہ پہنچا دینا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اپنے گھوڑے پر واپس چلی جائیں اور گھر سے چند مسلح آدمی یہاں بھیج دیں۔"

"نہیں! ہمارا کوئی آدمی ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے نصرانیوں کے ساتھ اُلجھنا پسند نہیں کرے گا۔ تم واپس جاؤ! اور ہمارے گھوڑے یہاں

لاکر کسی درخت کے ساتھ باندھ دو! اس کے علاوہ پانی بھی لے آؤ! اگر اُس کی جان بچ گئی تو میں تم سب کو دس دس سُنہری دینار انعام دوں گی"

بوڑھا آدمی بھاگتا ہوا واپس چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد باقی تین آدمی کھڈ میں اُترنے لگے۔ سعاد کھڑی اجنبی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بدستور دونوں ہاتھوں سے جھاڑی کی شاخ تھامے چٹان کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔ اچانک سعاد کے غلام کی آواز سنائی دی "ہم تمہاری مدد کے لیے آرہے ہیں۔ تمہارے دشمن واپس جاچکے ہیں۔ تمہارے لیے سیدھا نیچے اُترنا بہت خطرناک ہے، لیکن اگر تم دائیں طرف اُس شگاف تک پہنچنے کی کوشش کرو تو وہاں سے نیچے آنا زیادہ آسان ہوگا۔"

اجنبی نے ذرا سر اُٹھا کر دیکھا اور آہستہ آہستہ دائیں کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

سعاد کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ پوری قوت سے چلّانا چاہتی تھی، مگر اُس کا گلا خشک ہوچکا تھا۔ اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔

اجنبی نے پانچ منٹ میں قریباً تیس قدم فاصلہ طے کیا اور ایک برساتی آبشار کی تنگ گزرگاہ میں جو قریباً چار پانچ فٹ چوڑی اور اسی قدر گہری تھی اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا دیے۔

شاباش! ایک مجاور بلند آواز میں چلّایا۔ سعاد نے آنکھیں کھولیں۔ اجنبی آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہا تھا۔

سعاد، کچھ دیر اس بہادر آدمی کے عزم اور حوصلے کا ایک ناقابل یقین مظاہرہ دیکھتی رہی۔ پھر اچانک ایک درخت کی اوٹ میں ہوکر سجدے میں گر پڑی اور مارے خوشی کے ایک بچے کی طرح رونے لگی۔

اجنبی کھڈ میں اتر کر چند منٹ منہ کے بل بے حس و حرکت پڑا رہا۔ اتنے میں سعاد کا غلام اور اس کے دو ساتھی اس کے قریب پہنچ گئے۔

اجنبی نے آہستہ سے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھوں، کہنیوں، گھٹنوں اور پیشانی سے خون رس رہا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ میرا پیچھا کرنے والے سوار واپس جاچکے ہیں؟" اس نے قدرے تامل سے پوچھا۔

"ہاں!" ایک مجاور نے جواب دیا "سرِدست آپ کو ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں، تاہم اس بات کا امکان ضرور ہے کہ وہ ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد دوسرے راستے سے اس طرف آنے کی کوشش کریں، اس لیے آپ کا یہاں ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔ اگر آپ چل سکتے ہوں تو آپ سامنے ان درختوں کی اوٹ میں دشمن کی نگاہوں سے زیادہ محفوظ ہوں گے۔ اس کے بعد ہم آپ کے لیے کوئی موزوں جائے پناہ تلاش کرسکیں گے۔ آپ کو تکلیف تو ضرور ہوگی مگر یہ چڑھائی زیادہ دُشوار نہیں ہے۔"

اجنبی نے اُٹھتے ہوئے کہا "چلیے! اگر قدرت نے آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا ہے تو مجھے آپ کی رفاقت میں راستے کی مشکلات کا احساس نہیں ہوگا۔" وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا۔

چند قدم چلنے کے بعد حبشی غلام نے کہا "مجھے آپ کے گھوڑے کی ہلاکت کا افسوس ہے۔ ایسے خوب صورت جانور بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ اسی رنگ اور بالکل اسی حلیے کا ایک گھوڑا میرے آقا کے پاس بھی ہے۔"

"تمہارا آقا!" اجنبی مضطرب ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگا تو ایک مجاور

نے کہا "یہ وزیر ابوالقاسم کے خادم ہیں۔"

"اُن کی قیام گاہ کس طرف ہے؟"

"زیادہ دور نہیں۔"

"وہ گھر پر ہیں؟"

"نہیں! وہ غرناطہ واپس جا چکے ہیں۔"

"کب؟"

"وہ کل علی الصباح روانہ ہو گئے تھے ــــــ لیکن جناب! آپ نے یہ نہیں بتایا کہ آپ کے دشمن کون تھے؟

وہ نصرانی تھے اور اب تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ میرا پیچھا کیوں کر رہے تھے ــــــ تمھیں یقین ہے کہ ابوالقاسم کا گھوڑا بالکل اسی گھوڑے جیسا تھا؟

"جی ہاں!" غلام نے جواب دیا "اسے دُور سے دیکھ کر یہی شک ہوا تھا لیکن اس کی لاش دیکھنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ میرا وہم ہو۔ ابوالقاسم کا گھوڑا اس سے کہیں زیادہ خوب صُورت اور مضبوط تھا۔"

اجنبی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔



قریباً دو تہائی فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔ سعاد دو تین منٹ بے چینی کی حالت میں اسے دیکھتی رہی پھر اس نے اپنے غلام کو آواز دی "ابویعقوب! اسے سہارا دے کر اُوپر لے آؤ!"

سعاد کے غلام اور ایک مجاور نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اُس نے

اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا "مجھے چھوڑ دو۔ میرا سر چکرانے لگا تھا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اجنبی چند قدم چل کر درختوں کی اوٹ میں ایک پتھر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ بوڑھے مجاور نے مٹی کے ایک پیالے میں پانی بھر کر اس کے منہ سے لگا دیا۔ اجنبی نے ایک ہی سانس میں یہ پیالہ خالی کر دیا ــــ اور پھر للچائی ہوئی نظروں سے پانی کے برتن کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ دیکھ کر مجاور نے یکے بعد دیگرے اور دو پیالے بھر کر اسے پیش کر دیے۔

سعاد نے اپنے سر سے چادر اُتار دی۔ پھر جلدی سے ریشمی کپڑے کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر پانی سے تر کیا اور اجنبی کے قریب بیٹھ کر اس کے زخم صاف کرنے لگی ــــ اُس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ ایک اجنبی نوجوان کو اس قدر اپنے قریب دیکھ رہی تھی۔

جب وہ کھڈ کے پار ایک بلند اور ناقابلِ عبور چٹان کے دامن میں زندگی اور موت کی کش مکش میں مبتلا تھا تو سعاد اپنے تصور میں اندلس کے ان مجاہدوں کے ساتھ اس کے رشتے جوڑ رہی تھی، جو کئی رزم گاہوں میں مردانگی کے جوہر دکھا چکے تھے اور جب وہ سربسجود ہو کر اس کی سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی تو بار بار اس کے ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ اگر وہ اس کڑی آزمائش سے زندہ و سلامت نکل آیا تو میں اسے یہ بتاؤں گی کہ میں فلاں باپ کی بیٹی ہوں اور اگر آپ فلاں فلاں معرکے میں حصہ لے چکے ہیں تو آپ یقیناً انھیں جانتے ہوں گے۔"

لیکن اب وہ ایک ایسے آدمی کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر ابھی تک جوانی کی پختگی نہیں آئی تھی اور وہ ایک تجربہ کار سپاہی کی بجائے کسی مکتب کا

طالب علم معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اُس کی آنکھیں ناقابلِ شکست حوصلوں کی آئینہ دار تھیں۔

سعاد نے اس کے زخم صاف کرنے کے بعد چادر سے چند اور ٹکڑے پھاڑے اور ان پر پٹیاں باندھنے لگی۔ اجنبی بے خیالی میں کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا تو حیا اور مرعوبیت کا احساس اُس کی آنکھوں پر پردے تان دیتا۔

"آپ کون ہیں؟" سعاد نے پوچھا۔

"میں ایک مصیبت زدہ مُسافر ہوں اور میرا نام ابُوالحسن ہے۔"

"میرے لیے آپ کی مصیبت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ میں آپ کو موت سے کھیلتے ہوئے دیکھ چکی ہوں، لیکن ہم زیادہ دیر یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو سکیں گے؟"

"ہاں! اگر آپ کوئی جائے پناہ تلاش کر سکیں تو میرے لیے پیدل بھاگنے کی بجائے گھوڑے پر سواری کرنا زیادہ آسان ہوگا۔ مگر میں نہیں چاہتا کہ آپ میری وجہ سے کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔"

سعاد نے کہا "میرا باپ ایک مسلمان تھا اور جس ماں نے مجھے دُودھ پلایا تھا، وہ بھی ایک مسلمان تھی۔"

"معاف کیجیے! میں ناشکر گزار نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو سوار میرا پیچھا کر رہے تھے، وہ نصرانی فوج سے تعلق رکھتے ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے قتل کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ اس لیے میری اعانت کا فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیجیے کہ میری وجہ سے آپ کو کئی خطرات پیش آ سکتے ہیں۔"

سعاد نے بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے جواب دیا "یہ

جگہ ایسی باتوں کے لیے موزوں نہیں۔ میں آپ کی سرگزشت سُننے سے پہلے آپ کو کسی ایسی جگہ پہنچانا چاہتی ہوں جو آپ کے دشمنوں سے محفوظ ہو۔"

اُس نے نوکر کو اشارہ کیا اور وہ پاس ہی کے ایک درخت سے دونوں گھوڑے کھول کر لے آیا۔

ابوالحسن اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور سعاد نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "آپ اس پر سوار ہو جائیں! اگر راستے میں کوئی خطرہ پیش آیا تو آپ اس کی تیز رفتاری پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

وہ گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ سعاد نے اپنے غلام سے مخاطب ہو کر کہا: "ابو یعقوب! تم بھاگ کر قبرستان سے آگے ٹیلے کی چوٹی سے غرناطہ کے راستے کی طرف دیکھتے رہو۔ اگر ان کے دُشمن نظر آئیں تو ہمیں خبر کر دینا۔ ہم تمھارے پیچھے پیچھے آئیں گے۔"

غلام بھاگ کر درختوں میں غائب ہو گیا اور سعاد دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر مجاوروں سے مخاطب ہوئی۔ "اگر کوئی اس طرف آکر تم سے ان کے متعلق پوچھے تو یہ کہہ دینا کہ الفجارہ کے حریت پسند ایک آدمی کو کھڈ سے نکال کر مشرق کی طرف لے گئے ہیں۔ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ قبائل کا ایک لشکر چند کوس دُور کسی بستی میں جمع ہو رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ودنہ سے کوئی بڑا خطرہ مول لینا پسند نہیں کریں گے۔"



تھوڑی دیر بعد انھیں ٹیلے کے ساتھ ساتھ تنگ راستے کے ایک موڑ سے حبشی نوکر آتا دکھائی دیا۔ وہ اطمینان سے نیچے اُتر رہا تھا۔ سعاد گھوڑا روک

کر اسے دیکھنے لگی۔ غلام نے قریب پہنچ کر آواز دی "آگے کوئی خطرہ نہیں، آپ جلدی سے گھر پہنچنے کی کوشش کریں!"

سعاد نے مڑ کر ابوالحسن کو دیکھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ٹیلے کے گرد نصف چکر لگانے کے بعد ابوالحسن کو سرسبز وادی کی پشت میں ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنا گھوڑا سعاد کے قریب کرتے ہوئے سوال کیا "آپ کا گھر کہاں ہے؟"

سعاد نے گھوڑا روک کر اس کی طرف دیکھا اور قلعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ ہمارا گھر ہے۔ اگر آپ تکلیف محسوس کر رہے ہوں تو ہم تھوڑی دیر یہاں رک سکتے ہیں۔"

ابوالحسن نے سوال کیا "اس قلعے میں کون رہتا ہے؟"

"وزیر اعظم ابوالقاسم۔"

"اور آپ ....؟"

"میں بھی اسی قلعے میں رہتی ہوں۔ ابوالقاسم میرے رشتے دار ہیں۔"

"لیکن ....." ابوالحسن نے مذبذب ہو کر کہا "میں وہاں نہیں جا سکتا۔"

سعاد پریشان ہو کر بولی "اگر آپ کو نصرانیوں سے خطرہ ہے تو بھی ہمارے گھر سے بہتر کوئی اور جائے پناہ نہیں مل سکتی۔ آپ کے دشمن اس قلعے کی تلاشی لینے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ آپ کے زخموں کے علاج کے لیے کسی اچھے طبیب کی ضرورت ہے اور ہمارا طبیب کافی تجربہ کار ہے۔"

ابوالحسن نے کہا "دیکھیے! مجھے ابھی تک آپ سے ایک ضروری بات کہنے کا موقع نہیں ملا۔ آپ کے نوکر نے کھڈ کے اندر میرے گھوڑے کی لاش دیکھی تھی اور اس نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وزیر اعظم ابوالقاسم کا گھوڑا

بالکل اس جیسا تھا۔"

سعاد نے کہا "میں نے بھی دور سے آپ کے گھوڑے کی پہلی جھلک دیکھ کر یہی محسوس کیا تھا۔ لیکن آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے اس جیسے گھوڑے کئی اور بھی ہو سکتے ہیں۔"

"مگر میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ گھوڑا میرا نہیں تھا۔ وہ مجھے راستے میں ملا تھا اور میں اپنی جان بچانے کے لیے اس پر سوار ہو گیا تھا۔ یہ داستان بہت طویل ہے۔ اگر آپ کے نوکر کا قیاس صحیح ہو تو مجھے ڈر ہے کہ جو آدمی اس گھوڑے پر سوار ہو کر غرناطہ کا رخ کر رہا تھا، وہ قتل ہو چکا ہے۔"

سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "آپ نے کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟"

"ہاں! قتل ہونے والے کی آخری چیخ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ اس کے قاتل وہی تھے جنھوں نے اپنا جرم چھپانے کے لیے اس چٹان تک میرا پیچھا کیا تھا۔ اب آپ یہ سوچ سکتی ہیں کہ ابوالقاسم کا قلعہ میرے لیے اور میری وجہ سے آپ کے لیے کہاں تک محفوظ ہو گا؟"

سعاد کے ذہن میں کئی سوال آئے لیکن نوکر کو قریب آتے دیکھ کر اس نے کہا "آپ میرے نوکر کے سامنے کوئی بات نہ کریں اور خاموشی سے میرے پیچھے پیچھے چلتے رہیں۔ انشاء اللہ میں آپ کو کسی زیادہ محفوظ جگہ پہنچانے کی کوشش کروں گی۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "آپ میری محسنہ ہیں اور میں آپ کو کسی

مصیبت میں ڈالنا پسند نہیں کروں گا ——— کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ مجھے اپنے حال پر چھوڑ دیں۔ میں غروبِ آفتاب تک یہاں سے کئی میل دُور نکل جاؤں گا۔ پھر مجھے قبائل کی کسی بستی میں کئی مددگار مل جائیں گے۔ کل تک آپ کا گھوڑا آپ کو واپس مل جائے گا"

"نہیں! میں اپنے دشمن کو بھی اس حال میں نہیں چھوڑ سکتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ بہت بہادر ہیں لیکن ابھی آپ سفر کے قابل بھی نہیں اور اگر کسی اچھے طبیب نے فوراً آپ کی مرہم پٹی نہ کی تو آپ کے زخم بگڑ جائیں گے۔"

ابوالحسن نے کہا "میں آپ کا دشمن نہیں ہوں۔ چلیے!"

نوکر نے آگے بڑھ کر کہا "جناب! آپ رُک کیوں گئیں؟"

"ابویعقوب!" سعاد نے کچھ سوچ کر کہا "تمھیں میری واپسی تک گھر سے دُور رہنا چاہیے اور کسی سے ان واقعات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔"

"آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے جواب دیا "یہ واپس آکر بتاؤں گی" ——— ابوالحسن نے اس کے پیچھے گھوڑا چھوڑ دیا۔



وہ راستے کی پہاڑی عبور کرکے دوسری وادی میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ایک تدریجی ڈھلوان پر ایک کشادہ راستہ دوسرے قلعے کی طرف جاتا تھا۔ ابوالحسن کچھ دیر سعاد کے ساتھ چلتا رہا۔ پھر اچانک اُس نے کہا:

"ٹھہریے! اگر میں غلطی پر نہیں تو وہ قلعہ سلطان ابوعبداللہ کی قیامگاہ ہونی چاہیے۔ مجھے غرناطہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ ابوالقاسم کی جاگیر کی سرحد اُن

کی جاگیر سے ملتی ہے۔"

سعاد نے مُڑ کر جواب دیا "ہاں! آپ کا قیاس درُست ہے۔"

"آپ مجھے وہاں لے چلنا چاہتی ہیں؟"

"میں وہاں جانے کی جُرأت نہ کرتی، لیکن یہ ایک مجبوری ہے۔ جب تک آپ کے زخم ٹھیک نہیں ہو جاتے، آپ کو سلطان کے ہاں مہمان رہنا پڑے گا۔ اُن کا طبیب نسبتاً تجربہ کار ہے۔ چلیے!" سعاد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

ابوالحسن کو تھوڑی دیر تذبذب رہا اور پھر بادلِ نخواستہ اُس نے بھی اپنے گھوڑے کا رُخ ابوعبداللہ کی قیام گاہ کی طرف موڑ دیا۔

وہ قلعے کے دروازے پر رُکے اور سعاد نے گھوڑے سے اُتر کر پہرے داروں سے کہا "یہ زخمی ہیں۔ انھیں مہمان خانے میں لے چلو اور فوراً طبیب کو بُلاؤ!"

ایک پہرے دار نے کہا "آپ کو معلوم ہے کہ ہم سلطان کی اجازت کے بغیر ایک اجنبی کو یہاں نہیں ٹھہرا سکتے۔"

تم سلطانِ معظم کو اطلاع دو! کہ وزیر ابوالقاسم کے گھرانے کی ایک لڑکی جسے انھوں نے ملکہ عائشہ کی قبر پر دیکھا تھا، ایک زخمی کے لیے اُن کی اعانت کی طلب گار ہے۔"

ایک افسر اچانک اندر سے نکلا اور اس نے آگے بڑھ کر کہا "میں انھیں جانتا ہوں۔ تم زخمی کو اندر لے جاؤ!" پھر وہ سعاد سے مخاطب ہوا: "کل سے سلطانِ معظم کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ لیکن اگر کوئی بہت ضروری بات ہے تو شاید وہ آپ کی ملاقات سے انکار نہ کریں۔ میرے ساتھ تشریف لائیے!"

سعاد نے گھوڑے کی لگام ایک پہرے دار کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "میں سلطان کو تکلیف دینے سے پہلے زخمی کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتی ہوں۔"

افسر نے پہرے داروں سے کہا "تم کیا دیکھ رہے ہو؟ زخمی کو مہمان خانے میں لے جاؤ! اور طبیب کو اطلاع دو!"

ایک پہرے دار ابوالحسن کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے اندر لے گیا اور سعاد عمر رسیدہ افسر کے ساتھ سلطان کے سکونتی محل کی طرف چل پڑی۔



چند منٹ بعد وہ ایک کنیز کی رہنمائی میں سلطان کی ملکہ کے کمرے میں داخل ہوئی، آگے بڑھ کر ادب سے جھکی اور اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے بولی "جناب! میرا نام سعاد ہے۔"

ملکہ نے اُٹھ کر اسے گلے لگا لیا اور کہا — "بیٹی! تم ایک مدت بعد یہاں آئی ہو، لیکن میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ تمھیں پہچان بھی نہ سکوں۔"

سعاد نے کہا "اگر میرے بس میں ہوتا تو میں ہر روز یہاں آیا کرتی۔ مجھے صرف بڑی ملکہ کی وفات کے دن یہاں آنے کی اجازت ملی تھی لیکن عورتوں کے ہجوم میں آپ تک رسائی حاصل نہ کر سکی۔ اب میں گھر میں اطلاع دیے بغیر یہاں آگئی ہوں۔"

"بیٹی! تم بہت پریشان معلوم ہوتی ہو خیر تو ہے؟"

سعاد نے جواب دیا "میں سلطان سے ایک بہت ضروری بات عرض کرنا چاہتی ہوں، لیکن شاید ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

ملکہ نے کہا "وہ ان دنوں عام لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے، لیکن تم عام لوگوں سے مختلف ہو۔ بیٹھ جاؤ! میں ابھی آتی ہوں۔"

ملکہ اُٹھ کر ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ ایک منٹ بعد وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک قیمتی چادر تھی "بیٹی! تم اپنی چادر اُتار کر یہ اوڑھ لو! اور میرے ساتھ آؤ!"

سعاد نے اپنی پھٹی ہوئی چادر اُتار کر کنیز کے ہاتھ میں تھما دی اور نئی چادر اوڑھ کر ملکہ کے پیچھے پیچھے چل دی۔ چند لمحوں میں وہ محل کے ایک اور کمرے میں سلطان ابوعبداللہ کو گزرے ہوئے واقعات سُنا رہی تھی۔

سلطان ابوعبداللہ کے نزدیک ایک اجنبی کے زخمی ہونے کی کوئی اہمیت نہ تھی تاہم وہ رسمی طور پر اس لڑکی کی دلجوئی کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا جسے اس نے اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا۔ اس نے کہا "بیٹی! تم اطمینان رکھو! میں اس کی جان بچانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کی حالت زیادہ تشویشناک تو نہیں؟"

"نہیں عالیجاہ! اس کے زخم زیادہ تشویش ناک نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا لیکن میرے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ اس کا پیچھا کرنے والے نصرانی تھے۔"

"نصرانی؟" ابوعبداللہ نے مضطرب ہو کر پوچھا "تمھیں اس نے بتایا تھا کہ اس نے کیا جرم کیا ہے؟"

"عالیجاہ! اُس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں اس سے ساری تفصیلات نہیں سُن سکی، تاہم اُس نے جو کچھ بتایا ہے، اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اُس کے دشمن شاید اپنا جرم چھپانے کے لیے اس کو قتل کرنا چاہتے

تھے اور اس کا زندہ بچ نکلنا ایک معجزہ ہے۔"

"تم نے اس کا نام پوچھا ہے؟"

"عالیجاہ! اُس کا نام ابوالحسن ہے۔"

"اگر نصرانی اس کا پیچھا کر رہے تھے، تو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اُس کے لیے میری قیام گاہ کی نسبت تمھارا گھر زیادہ محفوظ ہے۔"

"عالیجاہ! میں اسے وہیں لے جانا چاہتی تھی لیکن راستے میں اُس کی گفتگو سُن کر مجھے اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔ اُس کے اَبلق گھوڑے کا حُلیہ ابوالقاسم کے گھوڑے سے بہت ملتا جلتا تھا اور اس نے بتایا تھا کہ یہ گھوڑا اسے راستے میں ملا تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ شاید ..... اس گھوڑے کا مالک قتل ہو چکا ہے۔"

ابوعبداللہ اب پہلی بار پوری سنجیدگی کے ساتھ سعاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے پے در پے کئی سوال کیے، لیکن سعاد اپنی مختصر سی داستان دہرانے کے سوا اسے کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکی۔ اس نے ملکہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو یہ واقعات ایک افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔"

سعاد نے کہا "اگر آپ اس سے گفتگو کرنا پسند فرمائیں تو ممکن ہے کہ وہ آپ کے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکے۔"

"بہت اچھا! میں اس سے ملاقات کرتا ہوں۔"

ملکہ نے کہا "میرے خیال میں سر دست کسی اور کو ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ جب طبیب اس کی مرہم پٹی سے فارغ ہو جائے تو آپ اسے یہیں بُلوا لیں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی اس سے چند سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔"

انکشاف

کچھ دیر بعد ابوالحسن اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے نیا لباس پہنے ملاقات کے کمرے میں ابوعبداللہ، ملکہ اور سعاد کے سامنے بیٹھا اپنی سرگزشت سُنا رہا تھا:

"عالیجاہ! میں غرناطہ سے آیا ہوں اور عام حالات میں شاید میں کبھی اس گھر کا رُخ نہ کرتا ——— میں عبیداللہ کا بیٹا ہوں اور میرا بڑا بھائی حامد بن زہرا کے ساتھ شہید ہوا تھا، اب ایک حادثے نے مجھے آپ کی قیام گاہ میں دھکیل دیا ہے ——— لیکن ....."

ابوعبداللہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "اگر تم عبیداللہ کے بیٹے ہو تو اس گھر کو اپنے لیے تنگ نہیں پاؤ گے ———"

ملکہ بولی "اگر تمھارا بھائی حامد بن زہرا کی رفاقت میں شہید ہوا تھا تو اس بدنصیب قوم پر ہم تمھارا قرض کبھی نہیں چُکا سکتے ——— تم ہمارے معزز مہمان ہو ——— اب اطمینان سے اپنی سرگزشت سُناؤ ———!"

ابوالحسن نے احسانمندی سے ملکہ کی طرف دیکھا اور کہا "میرے والد نے مرتے وقت مجھے نصیحت کی تھی کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ افریقہ کی طرف ہجرت کر جاؤں، لیکن جب میں مہاجرین کے ایک قافلے کے ساتھ سفر

کی تیاری مکمل کر چکا تھا تو والدہ اچانک بیمار ہو گئیں اور مجھے رُکنا پڑا —— اس سے قبل میری ایک بہن اپنے شوہر کے ساتھ مراکش کی طرف ہجرت کر چکی تھیں . . . . .

والدہ کوئی آٹھ ماہ کی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ ان کی آخری وصیت بھی یہی تھی کہ میں کسی تاخیر کے بغیر غرناطہ چھوڑ دوں۔ ان کی وفات سے دو دن قبل مہاجرین کا ایک قافلہ غرناطہ سے البجارہ کی طرف روانہ ہو چکا تھا —— والدہ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہوتے ہی میں اس قافلے کے ساتھ شامل ہونے کی نیت سے چل پڑا . . .

میرا گھوڑا کافی مضبوط تھا، لیکن اسے راستے میں بہت کم آرام ملا۔ کل بھی میں نے حسبِ معمول اس پر دو منزلیں طے کی تھیں لیکن تیسرے پہر اُس نے ایک بلند پہاڑی عبور کرتے ہوئے اچانک گر کر دم توڑ دیا . . .

میں آنے والی رات کسی بستی میں گزارنے کے ارادے سے پیدل چلتا رہا۔ یہ علاقہ بہت ویران تھا اور مجھے آخری پہر تک آس پاس کسی بستی کے آثار نظر نہ آئے تو میں رات گزارنے کے لیے کسی موزوں جگہ کی تلاش میں ایک پہاڑی پر چڑھنے لگا . . . ."

ابوعبداللہ نے بے چین ہو کر کہا "نوجوان! کیا تم اس تمہید کو ذرا مختصر نہیں کر سکتے؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "عالیجاہ! آپ نے مجھے پوری سرگزشت سنانے کا حکم دیا تھا۔ اب میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا —— جب میں چوٹی پر پہنچا تو مجھے دوسری طرف راستے کے موڑ پر چند سوار دکھائی دیے۔ وہ تھوڑی دیر تک آپس میں کچھ مشورہ کرتے رہے پھر ایک تنگ پگڈنڈی سے

پہاڑی پر چڑھنے لگے —— اُن میں سے چار پانچ آدمی ایسے تھے جو اپنے لباس سے مجھے مسلمان دکھائی دیتے تھے۔ باقی دس بارہ آدمی نصرانی سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ ایک آدمی ابلق گھوڑے پر سوار تھا . . .

میں احتیاطاً ایک جھاڑی کی اوٹ میں لیٹ گیا۔ وہ پہاڑی کی چوٹی سے تھوڑی دُور دو ٹیلوں کے درمیان ایک چھوٹے سے میدان میں رُک گئے اور ابلق گھوڑے کے سوار کے سوا باقی سب گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ چار نصرانی اچانک اُس کی طرف بڑھے۔ ان میں سے ایک نے اس کے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام چھین لی اور دوسرے نے اس کی ٹانگ کھینچ کر نیچے گرا دیا . . . .

گھوڑا اچانک اُچھلا۔ اُس کے اگلے سُم نصرانی کے سر پر لگے اور وہ گر پڑا۔ جس آدمی کو انھوں نے کھینچ کر گھوڑے سے نیچے گرایا تھا، وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا "تم کیا کر رہے ہو؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ میں شہنشاہ کا دوست ہوں۔ وہ تمھاری کھالیں کھنچوا دیں گے . . . ." پھر مجھے اس کی خوفناک چیخ سُنائی دی۔

اس کے بعد وہ بدحواس گھوڑے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے سر اُٹھا کر دیکھا تو گھوڑا اُن کے گھیرے سے نکل کر سیدھا میری طرف آ رہا تھا —— میں بھاگنا چاہتا تھا، لیکن گھوڑے کا پیچھا کرنے والے قاتلوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے چند ثانیے بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر جب گھوڑا میرے قریب پہنچا تو میں نے اُٹھ کر جست لگائی اور اس کی لگام میرے ہاتھ میں آ گئی اور میں بلا توقف اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا . . .

سرکش گھوڑا ایک زخمی درندے کی طرح اُچھلا لیکن پہاڑی کے نشیب میں اس کا جوش و خروش جلد ہی ٹھنڈا ہو گیا۔ یہ ڈھلوان زیادہ خطرناک نہ تھی، اس لیے مجھے نیچے اُترتے ہوئے کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ لیکن وہاں پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ کہیں وہ راستے میں مجھے گھیر ہی نہ لیں، اس لیے میں نے شمال کی طرف گھوڑے کی باگ موڑ دی۔"

ملکہ نے پوچھا "تم نے مقتول کو اچھی طرح دیکھا تھا؟"

"نہیں! میں اس کے سفید عمامے اور قبا سے صرف یہ اندازہ لگا سکا تھا کہ وہ کوئی مسلمان ہے۔ میں نے کافی فاصلے سے اس کے چہرے کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی۔ شاید اس کی داڑھی بھی سفید تھی، لیکن میں اس کے خد و خال بیان نہیں کر سکتا۔"

"تم نے اُسے قتل ہوتے ہوئے دیکھا تھا؟"

"میں نے قاتلوں کو صرف چمکتی ہوئی تلواریں بلند کرتے دیکھا تھا اور پھر ایک دل ہلا دینے والی چیخ نے میرے حواس مختل کر دیے تھے۔"

ملکہ نے پوچھا "جب وہ فریاد کر رہا تھا تو اُس کے ساتھیوں میں سے کسی نے اس کی مدد نہیں کی تھی؟"

"نہیں! بلکہ جو لوگ مجھے مسلمان نظر آتے تھے وہ بھی خاموش تماشائیوں کی طرح ایک طرف کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔"

ابوعبداللہ نے کہا "اب ایسے سوالات کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جو لوگ ایک وزیر کو خرید سکتے ہیں، وہ اس کے نوکروں کے ضمیر کا سودا بھی چکا سکتے ہیں۔"

ملکہ بولی "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابوالقاسم تھا؟"

"ہاں! مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ چاروں آدمی اس کے انتہائی وفادار نوکر تھے اور وہ ابلق گھوڑا آخری انعام تھا جو میں نے غرناطہ چھوڑنے سے ایک دن پہلے ابوالقاسم کو دیا تھا" —— سلطان ابوعبداللہ، ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا "اب تم مختصر طور پر اپنی سرگزشت بیان کرو!"

ابوالحسن نے کہا "عالیجاہ! میں پوری رفتار سے غرناطہ کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میرے بائیں طرف ایک پہاڑ تھا اور دائیں طرف ایک خشک نالہ اور اس کے پار دوسرا پہاڑ تھا۔ کوئی ایک میل دُور اس پہاڑ کے دامن میں مجھے ایک پگڈنڈی دکھائی دی۔ میں نالہ عبور کر کے اوپر چڑھنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ نصرانی تیز رفتار گھوڑوں پر چیختے چلاتے نیچے راستے کے موڑ سے نمودار ہو رہے تھے...

ایک جگہ کٹھن چڑھائی پر گھوڑے کے پاؤں پھسل رہے تھے چنانچہ میں اُترا اور اس کی لگام کھینچتا ہوا پیدل چل دیا —— وہ میرے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ میں نے چوٹی پر پہنچ کر گھوڑا باندھا اور اپنی کمان سنبھال کر ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ دشوار گزار راستے میں وہ بھی میری طرح اپنے گھوڑے پکڑ کر پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے تھے....

جب سب سے اگلا آدمی میری زد میں آ گیا تو میں نے تیر چلا دیا۔ وہ گر پڑا اور اس کا بدحواس گھوڑا پیچھے مڑ کر پھسلتے ہوئے ایک اور آدمی کو اپنے ساتھ کھڈ میں لے گیا....

پھر میں اُٹھ کر آگے بڑھا اور چٹان کے کنارے کھڑا ہو کر تیر برسانے لگا اور جب وہ اپنے دو اور ساتھیوں کو زخمی چھوڑ کر میری زد سے دُور نکل گئے تو میں نے چند بھاری پتھر چٹان سے نیچے لڑھکا دیے...

شام ہو رہی تھی ــــــ میں نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ وہ اب میرا پیچھا نہیں کریں گے ــــــ گھوڑے کی لگام پکڑی اور رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا پہاڑی کی جنوب کی سمت چلنے لگا....

تھوڑی دیر بعد چاند نکل آیا۔ تھکاوٹ اور پیاس کے باعث میرا برا حال ہو رہا تھا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھی ہوئی چھاگل اُتار کر پانی کے چند گھونٹ پیے اور پہاڑ کے ساتھ ساتھ چلنے کی بجائے اب اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ کبھی کبھی مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میں کہیں گھوڑوں کی ٹاپ سُن رہا ہُوں لیکن اس کو ایک وہم سمجھ کر اطمینان سے چلتا رہا....

پہاڑ کی دوسری چوٹی پر پہنچ کر میں تھکاوٹ سے بیدم ہو چکا تھا۔ آگے ایک وادی کی ڈھلوان شروع ہو چکی تھی۔ میں آدھی رات تک چلتا رہا۔ میں پانی کی چھاگل ختم کر چکا تھا لیکن گھوڑے کی پیاس مجھے پریشان کر رہی تھی۔ میری خوش قسمتی تھی کہ وادی کے گھنے درختوں میں مجھے ایک اُبلتا ہوا چشمہ دکھائی دیا۔ میں نے گھوڑے کو پانی پلایا۔ اپنی پیاس بجھائی اور تھوڑی دیر سستانے کے بعد پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا....

پاس ہی کسی بستی کے کتے بھونک رہے تھے، لیکن میں راتوں رات زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا ــــــ میرا رُخ سیدھا جنوب کی طرف تھا اور میں ستاروں سے اپنی سمت کا اندازہ کر رہا تھا ــــــ ایک پہر سفر کرنے کے بعد میں وادی سے نکل کر ایک اور پہاڑ کے دامن میں پہنچ گیا۔ اب میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ میں نے گھوڑے سے اُتر کر اسے ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور اس کے قریب لیٹ گیا۔

طلوعِ آفتاب کے قریب گھوڑے کی ہنہناہٹ سُن کر میں بیدار ہوا تو مجھے درختوں کے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ میں نے جلدی سے اپنی کمان سنبھال لی۔ چند ثانیے بعد تین نصرانی سپاہی گھنے درختوں سے نمودار ہوئے۔ میرے تیروں سے ایک سوار گر پڑا اور باقی دو جن میں سے ایک کو بدحواسی کی حالت میں مُڑتے ہوئے تیر لگا تھا' بھاگ نکلے...

پھر تھوڑی دیر بعد جب میں گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہا تھا تو بھاگنے والوں کی چیخ پکار کے جواب میں وادی کی مختلف اطراف سے اُن کے ساتھیوں کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں اور جب میں تین چار سو قدم اوپر جا چکا تھا تو دس سوار میرا پیچھا کر رہے تھے...

اس کے بعد میرے سفر کا مشکل ترین مرحلہ شروع ہو چکا تھا۔ خطرناک گھاٹیوں پر مجھے کئی بار گھوڑے سے اُترنا پڑا۔ کئی بار دشمن کو دُور رکھنے کے لیے تیر چلانے پڑے اور جب میرا ترکش خالی ہو گیا تو میں اُس چٹان پر پہنچ گیا تھا' جس کے آگے ایک مہیب کھڈ مجھے موت کا پیغام دے رہی تھی...

وہاں سے زندہ نکل آنے میں میری ہمت کو کوئی دخل نہیں جناب! اللہ نے میری مدد کے لیے ایک فرشتہ بھیج دیا تھا ــــــ اور اب میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کو کسی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔ اس لیے یہی بہتر ہوگا کہ میں آج ہی یہاں سے نکل جاؤں۔"

"نہیں! نہیں!!" ابوعبداللہ نے جواب دیا "تمھیں آرام کی ضرورت ہے اور ہم اپنے مہمانوں کو ایسی حالت میں کبھی رخصت نہیں کرتے۔ تمھاری وجہ سے ہمیں کسی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا....

اگر ابوالقاسم کے قاتلوں کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ تم میری پناہ

میں ہو، تو بھی وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ انھوں نے تمھارا پیچھا صرف اس لیے کیا تھا کہ تم اُن کے جرم کے چشم دید گواہ ہو۔ یہ تمھاری خوش قسمتی ہے کہ تم ان کے ہاتھ نہیں آئے، ورنہ یہ ممکن تھا کہ وہ اپنا جرم تمھارے سر تھوپ دیتے....

اُن کے لیے غرناطہ کے کسی مسلمان کو ابوالقاسم کا قاتل ثابت کرنا مشکل نہ تھا — لیکن تمھاری سرگزشت سُننے سے پہلے مجھے تمھاری بھوک کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ اب تم کھانا کھا کر آرام کرو، مگر اس بات کا خیال رکھو کہ ابھی یہاں کسی اور کے سامنے ابوالقاسم کا ذکر کرنا مناسب نہیں۔"

ابوعبداللہ نے تالی بجائی۔ ایک کنیز کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے حکم دیا "انھیں مہمان خانے میں لے جاؤ اور نوکروں سے کہو کہ وہ فوراً ان کے کھانے کا انتظام کریں۔"

ابوالحسن اُٹھ کر کنیز کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر نکل گیا اور ابوعبداللہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی بیوی کی طرف متوجہ ہوا:

"اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا کہ غرناطہ کے اسلحہ خانے کے کتنے کارآمد تیر میری بدنصیب قوم کے کام نہ آسکے۔ یہ بہادر اور غیور نوجوان میرے متعلق کیا سوچتا ہوگا اور جب اندلس کی آیندہ نسلیں اپنی ذلت اور رُسوائی کے مسکن سے الحمرا کی طرف دیکھا کریں گی تو وہ میرے متعلق کیا خیال کریں گی۔"

ملکہ نے گفتگو کا موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

"میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابوالقاسم کے متعلق آپ نے جن خدشات کا اظہار کیا تھا، وہ اتنی جلدی پورے ہو جائیں گے۔"

سعاد نے اُٹھ کر کہا "عالیجاہ! مجھے گھر سے نکلے بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس لیے میں اجازت چاہتی ہوں۔"

ابوعبداللہ نے پوچھا "تم گھر جا کر کیا بتاؤ گی؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ تاہم خالو جان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچنے کے لیے مجھے کوئی نہ کوئی بہانہ تو بنانا ہی پڑے گا۔"

"میں مصعب کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اسے کبھی ابوالقاسم کی موت کا یقین نہیں آئے گا اور شاید وہ تمھارا یہاں آنا بھی پسند نہ کرے۔"

سعاد نے جواب دیا "میں ان کی قید میں نہیں ہوں، اور ان کو اس بات پر اعتراض نہیں ہو سکتا کہ میں ملکۂ عالیہ کو سلام کرنے گئی تھی۔"

ابوعبداللہ کچھ دیر سوچتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "سعاد! تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ میں مصعب کے نام ایک خط لکھ دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ میرا خط پڑھتے ہی یہاں آجائے گا اور تمھیں بھی گھر جا کر ابوالقاسم کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بذاتِ خود مصعب سے گفتگو کروں گا۔ فی الحال دُشمن کو یہ احساس دلانے کی ضرورت ہے کہ ہم ابوالقاسم کے متعلق قطعاً بے خبر ہیں۔ اگر اسے یہاں آنے میں تامل ہو تو تم اُسے یہ بتا سکتی ہو کہ غرناطہ سے کوئی مسافر آیا ہے جسے راستے میں ابوالقاسم نے کوئی پیغام دیا ہے اور یہ پیغام ایسا ہے، جو تمھارے سوا کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے۔"

ابوعبداللہ اُٹھ کر باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آکر ایک خط سعاد کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا "یہ لے جاؤ! قلعے سے دو محافظ تمھارے ساتھ جائیں گے۔"

سعاد نے اٹھ کر کہا "عالیجاہ! اس کی ضرورت نہیں۔ میں صرف ایک

فالتو گھوڑا گھر پہنچانے کے لیے ایک آدمی سے جانا چاہتی ہوں۔"

ملکہ نے اسے دروازے سے باہر رخصت کرتے ہوئے کہا "بیٹی! جب تک ہم یہاں ہیں، تمھارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔"

سعاد نیچے اُتری۔ نوکر صحن میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ چند ثانیے تذبذب کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے ایک نوکر سے مخاطب ہو کر کہا "میں زخمی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"تشریف لائیے!" نوکر اس کے ساتھ مہمان خانے کی طرف چل دیا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کمرے میں ابوالحسن کے سامنے کھڑی تھی۔ ابوالحسن اس کو دیکھتے ہی بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

سعاد نے کہا "نہیں! نہیں!! آپ آرام سے لیٹے رہیں۔ میں جا رہی ہوں اور آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھ سے ملے بغیر یہاں سے روانہ نہیں ہو جائیں گے۔"

وہ بولا "آپ کو یہ خیال کیسے آیا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر چلا جاؤں گا؟" ـــــ

سعاد نے کہا "رات کے وقت بعض ستارے آسمان سے ٹوٹتے ہیں اور اچانک غائب ہو جاتے ہیں۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "ٹوٹنے والے تارے اپنے مقدر سے نہیں لڑ سکتے، لیکن میں آپ سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ آپ کی اجازت کے بغیر واپس نہیں جاؤں گا ـــــ"

وہ چند ثانیے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر اُن کی آنکھیں جھک گئیں۔

ابوالحسن نے کہا "میں سوچ رہا تھا کہ آپ جا چکی ہوں گی اور شاید میں دوبارہ اپنی محسنہ کو نہ دیکھ سکوں ـــــ مجھے بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میں آپ کا نام بھی نہ پوچھ سکا۔"

"میرا نام سعاد ہے۔"

"سعاد! میں دل سے تمھارا شکر گزار ہوں، مگر مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آیا۔"

"میں بُری خبریں سُننے کی عادی ہو چکی ہوں۔ خدا حافظ!" سعاد نے مُڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

"خدا حافظ!" ابوالحسن نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور پھر دیر تک اُس کی نگاہوں کے سامنے نوخیز، حسین اور معصوم لڑکی کی تصویریں گھومتی رہیں۔



مصعب کے لیے ابوعبداللہ کا پیغام غیر متوقع تھا، اس نے خط پڑھتے ہی سعاد سے پوچھا "اگر ابوالقاسم نے میرے لیے کوئی پیغام بھیجا تھا تو ایلچی سیدھا میرے پاس کیوں نہیں آیا۔ اور تم وہاں کیا لینے گئی تھیں؟"

سعاد نے جواب دیا "ایلچی زخمی تھا۔ چند آدمی اُس کا پیچھا کر رہے تھے اور اسے یہ خدشہ تھا کہ ہمارا گھر اس کے لیے محفوظ نہیں، اس لیے میں نے سلطان کی قیام گاہ تک اس کی راہنمائی کی تھی۔ آپ فوراً سلطان کے پاس جائیں۔ اگر کوئی معمولی بات ہوتی تو وہ آپ کو دیکھنے کے لیے اس قدر بے چین نہ ہوتے۔" وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی۔

مصعب اضطراب کی حالت میں کمرے سے نکلا اور اپنے اصطبل کے

بہترین گھوڑے پر سوار ہو کر ابوعبداللہ کی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ پھر قریباً ایک گھنٹے بعد وہ ملاقات کے کمرے میں سلطان کی گفتگو سن رہا تھا۔

ابوعبداللہ نے مختصراً غرناطہ سے آنے والے مسافر کی سرگزشت بیان کر دی۔ مصعب کچھ دیر سکتے کی حالت میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کرب انگیز لہجے میں کہا "یہ ناممکن ہے۔ فرڈی نینڈ کے آدمی اسے قتل نہیں کر سکتے۔ میں خبر لانے والے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"وہ سو رہا ہے اور اس وقت اسے جگانا مناسب نہیں۔ میں تمھیں بتا چکا ہوں کہ وہ زخمی ہے۔ تمھارا جو نوکر سعاد کے ساتھ تھا، وہ کھڈ میں گھوڑے کی لاش دیکھ چکا ہے۔"

مصعب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "آپ کو یقین ہے کہ وہ ابوالقاسم کا گھوڑا تھا؟"

"جو واقعات اس نوجوان نے بیان کیے ہیں، اُن کی کڑیاں جوڑنے کے بعد ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔"

"لیکن ابوالقاسم کے ساتھ چار محافظ ایسے تھے جو اس کے اشارے پر جان دے سکتے تھے۔ انھیں غرناطہ کے انتہائی بہادر آدمیوں میں شمار کیا جاتا تھا اور وہ تلواروں کے علاوہ طمنچوں سے بھی مسلح تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابوالقاسم کو نصرانیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھ کر انھوں نے معمولی مزاحمت بھی نہ کی ہو؟"

ابوعبداللہ نے جواب دیا "یہ بات مجھے بھی ناقابلِ یقین معلوم ہوتی تھی، لیکن جب زمانہ آنکھیں بدل لیتا ہے تو بہترین دوست بھی فریب دے جاتے ہیں۔ کل تک تم بذاتِ خود کھڈ میں جا کر گھوڑے کی لاش دیکھ سکو گے۔ اتنی بلندی

سے گرنے کے بعد وہ بُری طرح مسخ ہو چکا ہو گا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ تمھیں اُس کے ساز میں سے کوئی نہ کوئی نشان ضرور مل جائے گا۔" ابوعبداللہ تھوڑی دیر رُکا اور پھر بولا "مصعب! میں یہاں بلا کر تمھیں یہ نصیحت کرنا چاہتا تھا کہ موجودہ حالات میں تم کو بہت محتاط رہنا چاہیے ——— اگر نصرانی ابوالقاسم کے انتہائی قابلِ اعتماد ساتھیوں کا ضمیر خرید سکتے ہیں تو یہ بعید از قیاس نہیں کہ تمھارے گھر میں کوئی اور ملازم بھی ان کے لیے جاسوسی کر رہا ہو۔ اس لیے تمھیں کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کرنی چاہیے کہ تمھیں ابوالقاسم کے متعلق کوئی اطلاع مل چکی ہے۔۔۔

قاتلوں سے یہ بعید نہیں کہ وہ اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپ دیں اور ابوالقاسم کے انتقام کے بہانے الفجارہ میں کئی بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں۔ اگر تمھارے سابقہ طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی دیکھ کر انھیں یہ شبہ ہو گیا کہ تمھیں ابوالقاسم کے افسوسناک انجام کی اطلاع مل چکی ہے، تو الفجارہ میں تمھارا گھر بھی محفوظ نہیں رہے گا۔ تمھیں ابوالقاسم نے بتا دیا ہو گا کہ مجھے الفجارہ سے ہجرت کا حکم مل چکا ہے اور میں بہت جلد یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن ابوالقاسم نے یہ نہیں سوچا ہو گا کہ وہ فرڈی نینڈ کی آخری خدمت سر انجام دے چکا ہے اور اس کے بعد وہ شاید اس کو کوئی اور مہم سونپنے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔"

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فرڈی نینڈ نے اپنے ایک وفادار ساتھی کو قتل کروا دیا ہو؟"

ابوعبداللہ نے کہا "کیا یہ ممکن نہیں کہ فرڈی نینڈ نے اچانک یہ محسوس کیا ہو کہ اس کا ساتھی اس کی ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہے، اس لیے وہ کسی دن

خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔ مصعب! تم بھی ایک ہوشیار آدمی ہو اور میں یہ نہیں چاہتا کہ فرڈی نینڈ تمھیں بھی اپنے لیے خطرناک سمجھ لے —— میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ الفجارہ کی پُرسکون زمین کی سطح کے نیچے ایک خطرناک لاوا اُبل رہا ہے —— کسی دن یہ جنگجو قبائل اچانک بھڑک اُٹھیں گے اور اپنی بقا کے لیے ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن فی الحال انھیں سنبھلنے اور تیاری کرنے کے لیے وقت کی ضرورت ہے اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم کوئی جلدبازی کر بیٹھو اور یہاں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دشمن کو اچانک یلغار کا بہانہ مل جائے!"

یہ کہہ کر ابوعبداللہ نے مصعب کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اپنی بات جاری رکھی: "اگر تم ابوالقاسم کے قتل پر اپنے سینے میں آگ کی کوئی چنگاری محسوس کر سکو تو تمھارے لیے انتقام لینے کی واحد صورت یہی ہے کہ تم خاموشی سے موزوں وقت کا انتظار کرو۔ چند دن بعد تم مجھے یہاں نہیں دیکھو گے لیکن تم ان لوگوں میں سے ہو جو کسی حالت میں بھی اندلس سے جلاوطن ہونا پسند نہیں کریں گے۔ اس لیے صرف زندہ رہنے کے لیے بھی تمھیں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہوگی۔"

ابوعبداللہ کی گفتگو کے دوران مصعب کو اس بات پر بڑی اُلجھن محسوس ہو رہی تھی کہ اس متلون مزاج آدمی کو جس نے اپنے انجام کے متعلق کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی، ایک ایسے وزیر کے خاندان سے کیونکر ہمدردی ہوسکتی ہے جو مرتے دم تک اُس کے خلاف دشمن کا حلیف تھا، جس کی سازشوں کے باعث غرناطہ پر تباہی آئی تھی اور جو صرف چند دن قبل اُس کے پاس فرڈی نینڈ کا یہ پیغام لایا تھا کہ اب الفجارہ میں بھی تمھارے

لیے کوئی جگہ نہیں، کبھی اسے اپنے ضمیر کی چیخیں ناقابلِ برداشت محسوس ہونے لگتیں اور کبھی وہ یہ محسوس کرتا کہ اس کی بےبسی کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے۔

سلطان کچھ دیر خاموشی سے اس کے چہرے کا اُتار چڑھاؤ دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "مصعب! میں نے ایک دن، ایک نیک دل لڑکی کو اپنی ماں کی قبر پر آنسو بہاتے دیکھا تھا اور مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ اکثر وہاں آیا کرتی ہے۔ اُس نے مجھے ملکۂ عالیہ کے مزار کی تعمیر کے لیے اپنا ہار پیش کیا تھا۔ اس کے بعد میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جب میں اور ابوالقاسم اس دنیا میں نہیں ہوں گے تو قوم کی ان معصوم بیٹیوں کے سر پر ہمارے گناہوں کی گٹھری کتنی بھاری ہوگی۔ مجھے ڈر تھا کہ شاید آج تم سعاد کا یہاں آنا پسند نہ کرو۔ اس لیے میں تمھیں یہاں بلا کر تمھارا غصہ دُور کرنا چاہتا تھا۔ تم اس سے خفا تو نہیں ہوئے۔"

"نہیں، عالیجاہ! مصعب نے متاثر ہو کر جواب دیا "میں سعاد سے خفا نہیں ہوسکتا —— وہ الفجارہ آنے کے بعد ہر وقت ملکۂ عائشہ کو یاد کیا کرتی تھی اور میں اس بات سے شرمسار ہوں کہ ان کی قدمبوسی کے لیے اُس کی حوصلہ افزائی نہ کر سکا۔ میرا خیال تھا کہ آپ ہمارے گھر کے کسی فرد کو دیکھنا پسند نہیں کریں گے۔"

"اب تو تمھیں یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں۔"

"عالیجاہ!" مصعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میں اپنی سابقہ کوتاہیوں پر شرمسار ہوں۔"

کچھ دیر اور باتیں کرنے کے بعد مصعب نے سلطان سے اجازت لی اور جب وہ اپنے گھر واپس آ رہا تھا تو اسے دُنیا بدلی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

ابوالحسن کے زخم تیزی سے مندمل ہو رہے تھے اور چار ہی دن میں وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا تھا۔ ہر روز صبح و شام ابوعبداللہ کے ساتھ اس کی ملاقاتیں ہوتی تھیں اور دو مرتبہ وہ اس کے ساتھ کھانا بھی کھا چکا تھا۔

الفجارہ میں پہلی ملاقات سے قبل غرناطہ کے جلا وطن بادشاہ کے متعلق اس کے خیالات بھی وہی تھے جو ایک غیور اور بہادر انسان کے ہو سکتے ہیں بچپن میں وہ ابوعبداللہ کے نام کے ساتھ ملت فروشی اور غداری کے الفاظ سننے کا عادی تھا اور اگر اسے حالات مجبور نہ کر دیتے تو وہ اس کے گھر میں قدم تک رکھنا بھی پسند نہ کرتا، لیکن اب بتدریج اس کے خیالات میں تبدیلی آ رہی تھی۔

ایک دن اس نے اپنے میزبان سے رخصت کی اجازت لینے کا ارادہ کیا، لیکن ابوعبداللہ کا چہرہ اس قدر افسردہ تھا کہ اس کو کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ابوعبداللہ نے رسمی گفتگو کے بعد اچانک کہا "ابوالحسن! کیا تمھیں معلوم ہے کہ ہم بہت جلد یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟"

ابوالحسن کوئی جواب دینے کی بجائے حیرت اور اضطراب کے عالم میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

سلطان نے قدرے توقف کے بعد کہا "تم ہمارے ساتھ مراکش چلنا پسند کرو گے؟"

"عالیجاہ! میں ہجرت ہی کی نیت سے یہاں آیا تھا اور ابھی آپ سے اجازت لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ اب اگر میں آپ کی رفاقت میں سمندر عبور

کر سکوں تو یہ میری انتہائی خوش قسمتی ہوگی، لیکن مجھے ڈر ہے کہ اس کے بعد شاید ہمارے راستے ایک دوسرے سے جُدا ہو جائیں۔ میں اپنے والد کے بعض دوستوں کو تلاش کرنا چاہتا ہوں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ مجھے الجزائر اور تیونس کے ساحلی علاقوں کی خاک چھاننی پڑے۔"

ابوعبداللہ نے کہا "موجودہ حالات میں زیادہ مناسب یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ ہی سفر کرو۔ عنقریب ہمیں مراکش لے جانے کے لیے جہاز پہنچ جائیں گے اور ہم اُن کی آمد کی اطلاع ملتے ہی یہاں سے کوچ کر دیں گے، لیکن فی الحال کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ میں فرڈی نینڈ کے ایلچی سے وعدہ کر چکا ہوں کہ میں خاموشی سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"فرڈی نینڈ کا ایلچی؟"

"ہاں! وہ میرے لیے حکم لایا تھا کہ اب تم یہاں نہیں رہ سکتے، اور تم اسے دیکھ بھی چکے ہو۔"

"نہیں عالیجاہ! مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون ہے؟"

"وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا بلکہ میرا اپنا وزیر تھا۔"

"ابوالقاسم؟"

"ہاں! میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ جس دن فرڈی نینڈ کو یہ اطمینان ہو جائے گا کہ مسلمانوں کی شاہ رگ پر اُس کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے اور اب ابوالقاسم کی مزید خدمات کی ضرورت باقی نہیں رہی تو اُسے آنکھیں بدلنے میں دیر نہیں لگے گی، لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے میں اس قدر جلد بازی سے کام لے گا۔"

ابوالحسن نے کہا "جن لوگوں کو حامد بن زہرا کی شہادت کے واقعات

کا علم ہے وہ ابوالقاسم کے انجام پر تعجب نہیں کریں گے۔"

کچھ دیر بعد وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے اور پھر ابوعبداللہ کے استفسار پر ابوالحسن نے وہ تمام واقعات بیان کردیے جو اسے سلمان اور مسعود سے معلوم ہوئے تھے۔ ابوعبداللہ اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت بوجھ لے کر اُٹھا اور برابر کے کمرے میں جاکر، بستر پر گر پڑا۔ اس کے ضمیر کی دبی ہوئی آواز چیخوں میں تبدیل ہو رہی تھی۔

ابوالحسن اور سعاد

چھٹے روز ابوالحسن پہلی بار سیر کے بہانے قلعے سے باہر نکل کر اس پہاڑی کا رُخ کر رہا تھا جو دو وادیوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھی۔ طلوعِ آفتاب کے تھوڑی دیر بعد وہ اس پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا ابوالقاسم کے قلعے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اضطراب کی حالت میں اِدھر اُدھر گھومنے اور بار بار قلعے کی طرف دیکھنے کے بعد وہ راستے سے چند قدم دُور ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور دیر تک سر جھکائے کچھ سوچتا رہا۔

پھر جب وہ مایوس ہو کر واپس جانے کا ارادہ کر رہا تھا تو اُسے گھوڑے کی ٹاپ سُنائی دی۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت بیٹھا رہا پھر اچانک اُس نے اُٹھ کر دیکھا اور اس کے دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سعاد نے اُس کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا اور حیرت زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ابوالحسن جھجکتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔

"آپ یہاں؟" سعاد نے حیران ہو کر دریافت کیا۔

"جی! میں سیر کے لیے چلا تھا، مگر اس طرف آ نکلا اور اب آپ کا راستہ رو کنے کی جسارت پر معافی چاہتا ہوں۔"

سعاد نے گھوڑے سے اُترتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ آپ بلا وجہ اس طرف نہیں آئے!"

ابوالحسن نے آنکھیں جھکاتے ہوئے جواب دیا "پرسوں میں نے آپ کو سلطان کے قلعے سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"میں اپنی خالہ کے ساتھ ملکہ کے پاس گئی تھی۔ ہمیں نوکروں سے معلوم ہوا تھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ دراصل وہ آپ کو دیکھنا چاہتی تھیں۔"

"میں نماز کے بعد لیٹ گیا تھا۔ اگلے روز میں آپ کا انتظار کرتا رہا اور اگر آپ بُرا نہ مانیں تو اب بھی میں آپ ہی کا راستہ دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ شاید مجھے الوداع کہنے کا پھر موقع نہ ملے۔"

سعاد کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ اس نے مغموم لہجے میں پوچھا: "آپ کب جا رہے ہیں؟"

"کل میں نے سلطان سے اجازت لینے کا ارادہ کیا تھا لیکن اب شاید مجھے چند دن رُکنا پڑے ـــــ آپ کو معلوم ہے نا کہ وہ یہاں سے ہجرت کرنے والے ہیں؟"

"ہاں! خالو جان نے غرناطہ روانہ ہوتے وقت یہ خبر سنائی تھی، مگر میری خالہ کو یقین نہیں آیا تھا۔ اس لیے ہم انھیں رخصت کرتے ہی ملکہ کے پاس گئی تھیں اور واپسی پر ہم اس قدر پریشان تھیں کہ آپ کی مزاج پُرسی بھی نہ کر سکیں۔"

"مصعب غرناطہ جا چکے ہیں؟" ابوالحسن نے سوال کیا۔

"ہاں! انھیں آپ سے ملاقات کے بعد بھی یقین نہیں آسکا۔ اس دن آپ کے پاس آنے سے قبل وہ چند آدمیوں کو ساتھ لے کر کھڈ کی طرف

گئے تھے۔ بھیڑیے اور گیدڑ گھوڑے کی لاش بُری طرح نوچ چکے تھے، لیکن سائیس اور دوسرے نوکروں نے گھوڑے کا ساز و سامان پہچان لیا۔ پھر آپ سے ملاقات کے بعد گھر واپس آکر وہ بار بار اس بات کا اعتراف کرتے تھے:

"وہ نوجوان غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ وہ غرناطہ کے ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔" اس کے باوجود وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک میں بذاتِ خود غرناطہ جا کر تحقیق نہیں کر لیتا، مجھے چین نہیں آسکتا۔ اب خدا کرے وہ خیریت سے واپس آجائیں۔"

وہ کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔ پھر ابوالحسن نے کہا "سلطان ابوعبداللہ نے مجھے اپنی رفاقت میں سمندر عبور کرنے کی دعوت دی ہے۔ فی الحال آپ اپنے گھر میں کسی اور سے اس بات کا ذکر نہ کریں۔"

سعاد نے کہا "اگر آپ مجھے الوداع کہنے آئے تھے تو یہاں کیوں رُک گئے؟ آپ کے لیے ہمارے گھر کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا۔"

"سعاد! ـــــ" ابوالحسن کچھ دیر سوچ کر بولا "میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ ورنہ شاید مجھے یہاں تک آنے کا حوصلہ بھی نہ ہوتا۔"

"اور اگر میں یہاں نہ آتی تو؟"

"تو میں کل پھر اس طرف آتا اور شاید چند قدم اور آگے بڑھ کر آپ کا انتظار کرتا اور پھر جب میں مایوس ہو جاتا تو رخصت سے ایک دن یا ایک ساعت قبل آپ کے گھر پہنچ جاتا اور وہاں شاید آپ کے عزیزوں کی موجودگی میں میری زبان پر وہ باتیں آجاتیں جو آج صرف میں اپنے دل میں کہہ سکتا ہوں لیکن میرے

لیے یہ ممکن نہ ہوتا کہ آپ کو خدا حافظ کہے بغیر رخصت ہو جاؤں۔"

ابوالحسن خاموش ہو گیا اور سعاد دیر تک اپنے دل کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہونے لگے اور وہ ڈوبتی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی:

"وہ ایک اتفاق تھا کہ اس دن میں نے آپ کو چٹان سے اترتے دیکھ لیا تھا اور یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ آج میں اس طرف آ رہی تھی لیکن ایسے مواقع بار بار نہیں آتے ——— ہو سکتا ہے کہ رخصت کے وقت ہمیں ایک دوسرے سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملے۔ اس لیے میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ جب ہمارے درمیان سمندر کے گہرے پانی حائل ہو جائیں گے تو بھی میں آپ کے لیے دعا کیا کروں گی۔ اور میری یہ امید مرتے دم تک قائم رہے گی کہ کسی دن آپ ضرور واپس آئیں گے اور میں پھر آپ کو کسی بلند چٹان سے اترتے ہوئے دیکھوں گی۔ اس وقت میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے بھول تو نہیں جائیں گے؟ سمندر پار جا کر آپ یہ محسوس تو نہیں کریں گے کہ اندلس میں آپ کا کوئی نہیں؟"

سعاد اپنے آنسو پونچھ کر سسکیاں لے رہی تھی اور ابوالحسن کا دل بے چارگی اور بے بسی کے احساس سے بیٹھا جا رہا تھا۔

"سعاد!" اس نے کہا "میں ضرور آؤں گا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تمہیں زیادہ عرصہ میرا انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ مجھ جیسے بے وقوف آدمی سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ راستے میں ہی جہاز سے کود پڑے اور پھر بھاگتا ہوا یہاں پہنچ جائے۔"

سعاد نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے

کہا "تمہارے لیے ہمارے گھر کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا لیکن میری وجہ سے تمہیں اپنا ارادہ تبدیل نہیں کرنا چاہیے۔ میں اس دن کا انتظار کروں گی جب مہاجرین کے قافلے آزادی کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آئیں گے۔ اب میں گھر واپس جا رہی ہوں۔"

وہ گھوڑے پر سوار ہو گئی۔

ابوالحسن نے کہا "آپ ملکہ کے پاس نہیں جائیں گی؟"

"ان کے پاس پھر کسی دن جاؤں گی۔ اب میرا یہ خدشہ دور ہو چکا ہے کہ آپ کسی اطلاع کے بغیر اچانک روانہ ہو جائیں گے اور میں اس کے لیے آپ کی شکر گزار ہوں۔"

ابوالحسن نے کہا "اب میں کسی جھجک کے بغیر آپ کے دروازے پر دستک دے سکوں گا۔"

سعاد نے گھوڑے کی لگام موڑ کر ایڑ لگا دی اور ابوالحسن دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ ابوعبداللہ کی قیام گاہ کا رخ کر رہا تھا تو اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے سینے سے ایک ناقابل برداشت بوجھ اتر چکا ہے۔



قلعے میں داخل ہوتے ہی ابوعبداللہ کی محافظ فوج کے سالار سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا "آپ کو اسلحہ کے بغیر باہر نہیں جانا چاہیے تھا۔ سلطان آپ کے متعلق بہت فکرمند تھے۔ آپ اتنی دیر کہاں رہے؟"

"میں سیر کے لیے چلا گیا تھا۔"

سالار نے ایک سپاہی کو اشارے سے بلایا اور پھر ابوالحسن کی طرف

دیکھتے ہوئے کہا "آپ اس کے ساتھ اصطبل کے داروغہ کے پاس جائیں! اسے سلطان کی طرف سے یہ حکم مل چکا ہے کہ آپ جس گھوڑے کو اپنی سواری کے لیے پسند کریں، وہ آپ کو پیش کر دیا جائے۔"

ابوالحسن نے کہا "میں ان کا شکر گزار ہوں، لیکن اس جگہ مجھے گھوڑے کی کیا ضرورت ہے؟"

سالار نے جواب دیا "گھوڑا تو ایک سپاہی کی اولین ضرورت ہے اور پھر سلطان کے مہمان ان کے تحائف رد نہیں کیا کرتے۔"

ابوالحسن سپاہی کے ساتھ چل پڑا اور تھوڑی دیر بعد اصطبل کا داروغہ اس کو بہترین نسل کے گھوڑے دکھا رہا تھا۔ وہ مشکی رنگ کے ایک خوبصورت گھوڑے کے قریب رُک گیا، اور داروغہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"آپ کو یہ گھوڑا پسند ہے؟"

ابوالحسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اگر آپ اس وقت سواری کرنا پسند کریں تو اس پر زین ڈلوا دی جائے؟"

"نہیں! ابھی نہیں!!" ابوالحسن نے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دیتے ہوئے جواب دیا۔

"میں آپ کے حسنِ انتخاب کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ جانور واقعی بہت اچھا ہے۔"

سالار کی بات سُن کر ابوالحسن مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا ——



تیسرے روز دوپہر کے وقت ابوالحسن اپنے کمرے میں لیٹا ہوا تھا کہ

مصعب دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ ابوالحسن نے جلدی سے اُٹھ کر مصافحہ کیا اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

مصعب نے کہا "میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں غرناطہ سے ہو آیا ہوں اور ابوالقاسم کے متعلق میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ وہ اپنے گھر نہیں پہنچے۔ مجھے یہ شبہ نہیں تھا کہ آپ کی اطلاع غلط تھی لیکن اس کے باوجود میں اپنے دل کو یہ فریب دے رہا تھا کہ شاید آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو اور جس آدمی کو آپ نے قتل ہوتے دیکھا تھا وہ کوئی اور ہو۔ سب سے بڑا ثبوت ان کا گھوڑا تھا لیکن میرا خیال تھا کہ شاید وہ راستے میں کسی جگہ آرام کے لیے رُک گئے ہوں اور اُن کا گھوڑا کسی چور کے ہاتھ آ گیا ہو اور ابوالقاسم کے ساتھیوں نے چور کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا ہو لیکن اب اس قسم کی موہوم امیدیں بھی ختم ہو چکی ہیں۔"

ابوالحسن نے کہا "غرناطہ میں آپ نے اُن کے ساتھ جانے والوں میں سے کسی سے مُلاقات نہیں کی؟"

"نہیں! ان کے ذاتی نوکر بھی گھر نہیں پہنچے۔ میں نے غرناطہ کے گورنر یا کسی اور اہلکار سے جان بوجھ کر ملاقات نہیں کی۔ مجھے خطرہ تھا کہ اگر میں نے ابوالقاسم کے متعلق کوئی خدشہ ظاہر کیا تو وہ شاید مجھے بھی غرناطہ سے زندہ واپس نہ آنے دیں۔ میں نے ایک رشتے دار کے گھر چُھپ کر ان کا پتا لگایا تھا اور چند خاص آدمیوں کے سوا کسی کو میری آمد کا علم نہ تھا۔ گزشتہ رات میں نے گھر پہنچتے ہی آپکے بارے میں پوچھا تھا اور سعاد نے بتایا تھا کہ آپ ابھی یہیں ہیں۔ اب میں سلطان کو سلام کرنے کے بعد سیدھا آپ کے پاس آیا ہوں اور ایک بار پھر یہ تاکید کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

الوالحسن نے جواب دیا "میری طرف سے کوئی بے احتیاطی نہیں ہو گی۔"

مصعب نے کچھ سوچ کر کہا "سعاد بتا رہی تھی کہ آپ سلطان کے ساتھ جا رہے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سلطان کی ہجرت کے بعد ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا' ورنہ میں آپ کو اپنے پاس ٹھہرنے کی ضرور دعوت دیتا' مگر موجودہ حالات میں' میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ چند ماہ یا چند سال بعد اگر حالات کی تبدیلی آپ کو واپس آنے پر آمادہ کر دے تو ہم آپ کو یہ محسوس نہیں ہونے دیں گے کہ آپ یہاں ایک اجنبی ہیں۔"

الوالحسن نے جواب دیا "میں آپ کا شکر گزار ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میں کسی دن ضرور آؤں گا۔"

"اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو میں اس وقت بھی آپ کو یہ اطمینان دلا سکتا ہوں کہ آپ یہاں بیکار نہیں رہیں گے۔ ابوالقاسم کی جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔ آپ کو فوراً کوئی جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ سلطان ابوعبداللہ کچھ دن اور رہیں گے اور آپ کو سوچنے کے لیے کافی وقت مل جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس عرصے میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اُن کے ساتھ ہمیں بھی ہجرت کا فیصلہ کرنا پڑے.....

عام حالات میں اپنے خاندان کے سابقہ کردار کے پیش نظر مجھے سلطان ابوعبداللہ سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں ہونی چاہیے تھی' مگر ابوالقاسم کی موت سے ان کے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ آج وہ مجھ سے بار بار یہ کہتے تھے "تم زیادہ عرصہ البشارہ میں چین سے نہیں رہ سکو گے' اس لیے اگر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ تو میں مراکش میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں!"

ملکہ نے بھی مجھے تسلی دی تھی وہ بار بار یہ کہتی تھیں کہ اب سعاد جیسی لڑکیوں کو البشارہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ لیکن میری حالت یہ ہے کہ مجھے اندلس چھوڑنے کی بجائے مر جانا زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے۔"

الوالحسن نے کچھ سوچ کر کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ ان غیر یقینی حالات میں سعاد اور دوسری خواتین کو ملکہ کے ساتھ روانہ کر دیں؟"

"میری بیوی کسی حالت میں بھی مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی اور سعاد بھی ان لوگوں میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت اپنے عزیزوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ بالآخر مصعب نے اُٹھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "میرا گھر زیادہ دور نہیں' آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں!"

اور جب وہ چلا گیا تو الوالحسن بھی اپنے دل سے بار بار پوچھ رہا تھا:

"کیا میں سعاد کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں؟"

اور آنے والے دور میں تنہائی اور بے چارگی کے تصور سے اس کی رُوح پسی جا رہی تھی۔



(۲۰)

بیس دن بعد سلطان کی قیام گاہ سے پہلا قافلہ جو اس کے نجی ملازموں اور سپاہیوں پر مشتمل تھا' ساحل کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ گھر کا ساز و سامان اُٹھانے کے لیے علاقے کے لوگوں نے اپنے خچر مہیا کر دیے تھے اور حفاظت کے لیے پچاس مسلح رضاکار بھی بھیج دیے تھے۔ سلطان اور ملکہ کو شاہی خاندان کے

باقی افراد اور چند محافظ دستوں کے ساتھ پہلے قافلے کی روانگی سے دو دن بعد کوچ کرنا تھا۔

غرناطہ کے گورنر نے حکومت کی طرف سے سلطان کی متروکہ جائیداد کا انتظام سنبھالنے کے لیے ایک اہلکار جو بظاہر مُسلمان تھا، سلطان کی روانگی سے ایک دن قبل بھیج دیا تھا اور اس کے ساتھ آنے والے سپاہیوں نے قلعے سے کچھ دُور خیمے نصب کر دیے تھے۔ اس اہلکار کا نام حارث تھا۔

اس نے آتے ہی سلطان کو غرناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ پیغام دیا تھا: ——— "آپ کے جو ملازم ہجرت نہیں کرنا چاہتے وہ حکومت کے ملازم تصور کیے جائیں گے اور علاقے کے کاشت کاروں کی حفاظت بھی حکومت کے ذمے ہوگی" ——— چنانچہ سلطان کے ذاتی عملے کے بیس آدمی اس پیش کش پر بہت خوش تھے اور فیصلہ کر چکے تھے کہ سلطان کو ساحل تک پہنچانے کے بعد وہ واپس آجائیں گے۔

ابوالحسن روانگی سے ایک روز قبل مصعب کے ہاں جاکر سعاد سے الوداعی ملاقات کر رہا تھا۔

وہ اس کی خالہ اور خالو کی موجودگی میں کھُل کر کوئی بات نہ کر سکا اور اسے اپنے جذبات کے اظہار کے لیے کچھ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کے دل کی آوازیں سُن سکتے تھے۔

رُخصت کے وقت سعاد کی خالہ نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹا! اللہ تمھارا حامی و ناصر ہو۔ میں اس بات میں بھی کوئی بہتری دیکھتی ہوں کہ سعاد کے خالو تمھارا ارادہ تبدیل نہیں کر سکے۔ پھر بھی اس گھر میں ہمیشہ تمھارا انتظار ہوگا۔"

سعاد نے انتہائی ضبط سے کام لیا تھا، لیکن جب ابوالحسن خدا حافظ کہہ کر کمرے سے باہر نکل آیا تو اُس کا سُرخ و سپید چہرہ اچانک زرد ہو گیا اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔



ابوالحسن واپس آکر باقی سارا دن سخت اُداس رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو عامر، ایک پست قامت نوکر نے دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد اندر جھانکتے ہوئے کہا "جناب! آپ کا کھانا لے آؤں؟"

"ہاں! لے آؤ!"

ابو عامر واپس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد اس نے کھانے کا طشت لاکر ابوالحسن کے سامنے ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دیا۔ پھر ایک طرف ہٹ کر بولا:

"جناب! مجھے افسوس ہے کہ آپ جا رہے ہیں!"

ابو عامر کو گفتگو کے لیے ہمیشہ کسی بہانے کی تلاش رہتی تھی، لیکن یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر ابوالحسن کوئی بات کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

ابو عامر نے قدرے توقف کے بعد کہا "جناب! میں نے مراکش نہیں دیکھا مگر سُنا ہے کہ وہاں بہت گرمی پڑتی ہے۔"

ابوالحسن نے اس کی طرف دیکھے بغیر بے اعتنائی سے جواب دیا:

"انشاء اللہ تم بہت جلد اپنے وطن کی آب و ہوا کے عادی ہو جاؤ گے!"

"جناب! میں آپ کو بندرگاہ تک پہنچانے کے بعد واپس آجاؤں گا۔

سلطان چند نوکروں کو یہاں رہنے کی اجازت دے چکے ہیں۔ ہم اس قلعے کے نئے محافظ سے مل چکے ہیں اور انھوں نے یہ کہا ہے کہ قلعے کے جو ملازم یہاں رہنا چاہتے ہوں، ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ مجھ سے انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ میں تمھارا کام دیکھنے کے بعد تنخواہ میں اضافہ کر دوں گا۔ حارث ایک اچھا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن آپ مجھے بہت یاد آیا کریں گے۔ کاش! آپ چند دن اور یہاں ٹھہر سکتے۔"

ابوالحسن نے کھانے کا نوالہ چباتے ہوئے پہلی بار اس کی طرف دیکھا اور قدرے توقف کے بعد کہا "ابوعامر! میں تمھارا شکر گزار ہوں، مگر میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا۔ جب سلطان ابوعبداللہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے تو اس مہمان خانے کا دروازہ میرے لیے بند ہو جائے گا۔"

ابوعامر نے کہا "جناب! جس دن آپ زخمی ہو کر یہاں پہنچے تھے تو میں نے محسوس کیا تھا کہ شاید کوئی دشمن آپ کا پیچھا کر رہا ہے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرا کوئی دشمن نہیں۔ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا۔"

ابوعامر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک پہرے دار اندر داخل ہوا اور اُس نے ابوالحسن سے مخاطب ہو کر کہا "جناب! مصعب کا ایک نوکر آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک ضروری پیغام لایا ہوں۔ اگر اجازت ہو تو اسے یہاں بھیج دیا جائے!"

ابوالحسن کے دل کی دھڑکن اچانک تیز ہو گئی۔ اس نے کہا "اسے فوراً بھیج دو!"

پہرے دار چلا گیا اور ابوعامر نے جھجکتے ہوئے کہا "جناب! میرا خیال

تھا کہ آج آپ شاید دو مرتبہ مصعب سے مل چکے ہیں۔ صبح جب وہ سلطان سے ملاقات کے بعد سیدھے آپ کے پاس آئے تھے اور دوپہر کے وقت آپ گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے تھے تو مجھے یہی خیال آیا تھا کہ آپ اُن کے ہاں جا رہے ہیں۔"

ابوالحسن نے غور سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا "اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

ابوعامر کو اس کے لب و لہجہ سے کہیں زیادہ اس کی تیز نگاہوں نے مرعوب کر دیا اور اس کے چہرے سے احمقانہ مسکراہٹ اچانک رخصت ہو گئی "جناب! میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ۔۔۔۔"

ابوالحسن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا "دیکھو، ابوعامر! تم ایک اچھے آدمی ہو۔ لیکن اس وقت مجھے بے معنی باتوں سے کوفت محسوس ہو رہی ہے۔ اگر تم بندرگاہ تک قافلے کے ساتھ جا رہے ہو تو تمھیں جی بھر کر باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اب تم برتن اُٹھا لو!"

"لیکن جناب! آپ نے کچھ نہیں کھایا۔"

"مجھے بھوک نہیں تھی اور اب میں تمھیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں نے مصعب کے گھر میں کیا کھایا تھا۔"

ابوعامر طشت اٹھا کر باہر نکلا تو اسے چند قدم دور مصعب کا حبشی نوکر پہرے دار کے ساتھ آتا دکھائی دیا۔ وہ اُن کے راستے سے ایک طرف ہٹ کر کچھ دیر کھڑا رہا اور جب پہرے دار نوکر کو ابوالحسن کے کمرے میں پہنچا کر واپس مُڑ رہا تھا تو وہ اپنے آپ کو کوستا ہوا باورچی خانے کی طرف چل دیا۔

مصعب کا نوکر وہی تھا جسے ابوالحسن نے پہلے دن سعاد کے ساتھ

دیکھا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ادب سے سلام کیا اور پھر جیب سے ایک خط نکال کر ابوالحسن کو پیش کرتے ہوئے کہا "جناب! آقا مصعب کی بیوی اور سعاد کی خالہ نے یہ خط دیا تھا۔ انھوں نے تاکید کی تھی کہ میرے اور آپ کے سوا کسی تیرے آدمی کو اس خط کا علم نہیں ہونا چاہیے۔"

ابوالحسن نے جلدی سے خط کھولا اور پھر چند لمحات کے لیے اسے اپنے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہ تھا۔ سعاد کی خالہ کے خط کا مضمون یہ تھا:

"بیٹا ابوالحسن! میں اس خط میں اس معصوم لڑکی کے دلی احساسات کی ترجمانی کر رہی ہوں جو رخصت کے وقت تمھیں کوئی پیغام نہ دے سکی۔ سعاد مجھے اپنی بیٹی سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس وقت جب میں اُس کے کمرے سے دبی دبی سسکیاں سُن رہی ہوں تو میرا دل پِسا جا رہا ہے۔

میں تمھیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمھاری آمد سے پہلے اسے زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ماضی کے حادثات نے اسے اپنے حال اور مستقبل دونوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ اکثر خاموش رہا کرتی تھی۔ غرناطہ میں اس کی دلچسپی کا واحد ذریعہ ہمارا آبائی قبرستان تھا۔

یہاں آنے کے بعد ہمارا خیال تھا کہ ماحول کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات بھی بدل جائیں گے اور ایک دن جب اُس نے سواری کا شوق ظاہر کیا تو ہم بہت خُوش ہُوئے تھے، مگر پہلے دن وہ سیر سے واپس آئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ کسی نے اسے یہاں سے کچھ دُور ایک قبرستان کا بتا دیا تھا جہاں

طارقؒ کے زمانے کے چند شُہدا دفن تھے اور سعاد اُن کی فاتحہ خوانی کے لیے گئی تھی۔ ملکہ عائشہ بھی اسی قبرستان میں دفن ہیں۔ سعاد کو اپنے والدین پر ان کی شفقتیں یاد تھیں، اس لیے اسے بار بار وہاں جانے کے لیے ایک معقول بہانہ مل گیا تھا۔

پھر ایک دن وہ بہت دیر سے گھر آئی اور مجھے یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ وہ ایک زخمی کو ابوعبداللہ کے پاس لے گئی تھی اور رات کے وقت جب وہ پوری تفصیل کے ساتھ تمھیں موت کے مُنہ سے نکلتا دیکھنے اور تمھارے زخموں پر پٹیاں باندھنے کے واقعات سُنا رہی تھی تو مجھے پہلی بار اپنے دل میں یہ تسکین محسُوس ہوئی تھی کہ ایک اجنبی اُس کے لیے ایک نئی زندگی کا پیغام لایا ہے۔

سعاد کو بار بار تمھاری جرأت و مردانگی کے واقعات سنانے میں خاصی راحت محسوس ہو رہی تھی اور تمھیں دیکھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے دل میں تمھارا مکمل نقشہ پہلے سے موجود تھا اور سعاد تم سے بلاوجہ متاثر نہیں ہوئی تھی۔ تم اُس کے ماضی کی یادوں کے بہترین سانچوں میں ڈھل کر اُس کی نگاہوں کے سامنے آ گئے تھے اور اُس کی دنیا بدل چکی تھی۔

مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ تم سے کس قدر مانوس ہو چکی ہے اور یقیناً تم بھی اس کے دل کے حال سے بے خبر نہیں ہو سکتے۔

اب تم جا رہے ہو ــــــــ اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ تمھاری غیر حاضری میں مَیں کس حد تک سعاد کو تسلی دے سکوں گی، لیکن تمھیں یہ پیغام دیتے ہوئے مجھے کوئی جھجک محسُوس نہیں ہوتی کہ جب تم واپس آؤ گے تو تمھارے اور سعاد کے درمیان کوئی ایسی چٹان حائل نہیں ہوگی جسے تم عبور نہ کر سکو

میں فخر کے ساتھ تمھارا ہاتھ پکڑ کر اپنے شوہر سے یہ کہہ سکوں گی کہ میں سعاد کا مُستقبل اس بہادُر اور شریف نوجوان کو سونپنا چاہتی ہوں اور تم اسے میرا اہم خیال پاؤ گے۔

تمھیں فوری طور پر جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں صرف یہ اطمینان چاہتی ہوں کہ تمھیں میرا خط مل گیا ہے!"

ابوالحسن خط ختم کرنے کے بعد کچھ دیر خاموشی سے غلام کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "تم سعاد کی خالہ کو میری طرف سے یہ پیغام دو! کہ میں نے اُن کا خط پڑھ لیا ہے اور میں اُن کا شکر گزار ہُوں۔"

ابوالحسن رات، سونے سے پہلے یہ خط کئی بار پڑھ چکا تھا اور صبح جب وہ سفر کی تیاری کر رہا تھا، تو اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سعاد اس کا دامن پکڑ کر پوچھ رہی ہے " ابوالحسن! کیا تم جا رہے ہو؟ کیا تم واقعی جا رہے ہو؟"

طلوعِ آفتاب کے وقت قافلہ روانہ ہو چکا تھا اور قلعے سے باہر قرب جوار کی بستیوں کے سینکڑوں آدمی غرناطہ کے تاجدار کو بے بسی کے آنسُوؤں کا نذرانہ پیش کر رہے تھے۔ سلطان کی روانگی کی اطلاع ساحلی علاقے تک پہنچ چکی تھی اور راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے گروہ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ قبائل کے سرداروں نے ہر منزل پر قافلے کے قیام و طعام کا انتظام کر رکھا تھا اور راستے کی بستیوں کے

بہت سے لوگ سلطان کو رُخصت کرنے کے ارادے سے قافلے کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔

ابوالحسن مسلح سواروں کے آخری دستے کے ساتھ سفر کر رہا تھا لیکن اُسے لوگوں کے ہجُوم، پہاڑوں کے راستے کے نشیب و فراز اور پیچ و خم سے کوئی دلچسپی نہ تھی ــــــ اُس کے تصورات کی دنیا میں سعاد کی مسکراہٹیں بکھری ہوتی تھیں اور وہ قدم قدم پر اُس سے یہ کہہ رہی تھی:

"ابوالحسن! میں تمھاری ہوں۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

کبھی کبھی اُسے اپنے خیالات پر ندامت محسوس ہونے لگتی اور وہ کسی ساتھی سے کوئی بات شروع کر دیتا، لیکن پھر تھوڑی دیر بعد وہ خواب و خیال کی اس دُنیا میں کھو جاتا جہاں حال اور مستقبل کے سارے راستے سعاد کے دروازے پر ختم ہو جاتے تھے۔



تیسرے روز سہ پہر کے وقت مالقہ سے چند کوس دُور مشرق کی طرف ایک چھوٹی سی بندرگاہ کے سامنے کھلے میدان میں ہزاروں انسان ابوعبداللہ کا استقبال کر رہے تھے۔ سمندر میں مراکشی جہاز کھڑے تھے اور مقامی مسلمانوں کے علاوہ آس پاس کی ساحلی چوکیوں سے نصرانی محافظوں کا ایک دستہ مسلمانوں کے ہجوم سے کچھ فاصلے پر ایک طرف کھڑا تھا۔

ساحل پر مقامی قبائل کے سرداروں نے قافلے کے لیے خیمے نصب کر رکھے تھے۔ سب سے بڑا خیمہ جو سلطان اور ملکہ کے لیے نصب کیا گیا تھا، ان کے درمیان دکھائی دیتا تھا۔

مراکشی جہازوں کے کپتان اور دوسرے افسر ہجوم سے چند قدم آگے

قبائلی سرداروں کی صف میں کھڑے تھے۔

نصرانی سپاہیوں کے ایک دستے نے سلطان کو سلامی دی اور اس کے بعد وہ قبائلی سرداروں کی صف کے قریب پہنچ کر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ سرداروں نے باری باری آگے بڑھ کر ابوعبداللہ سے مصافحہ کیا اور شاہی خدام جو پہلے قافلے کے ساتھ بندرگاہ پر پہنچ چکے تھے ملکہ اور دوسری خواتین کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر خیموں کی طرف چل دیے۔

مقامی سرداروں نے سلطان کی ضیافت کا بھی انتظام کر رکھا تھا اور وہ قافلے کو ایک رات ٹھہرانے پر مُصر تھے۔

سلطان نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں تہہ دل سے تمھارا شکرگزار ہوں، مگر یہاں رُکنا میرے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔"

علاقے کے ایک سرکردہ رئیس نے کہا "عالیجاہ! ہم آپ کو مجبور نہیں کر سکتے، لیکن جہاز پر آپ کے گھوڑے لادنے میں کافی وقت لگ جائے گا۔ اس لیے شام کے کھانے کے بارے میں ہماری دعوت رد نہیں کرنی چاہیے۔"

"بہت اچھا!" ابوعبداللہ نے کچھ سوچ کر جواب دیا "ہم شام کا کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

کچھ دیر بعد خواتین اور بچے خیموں کے اندر جا چکے تھے اور ابوعبداللہ ہزاروں آدمیوں کے ساتھ پاس ہی ایک کھلے میدان میں عصر کی نماز ادا کر رہا تھا۔

نماز کے بعد وہ ایک کشادہ خیمے میں داخل ہوا تو اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا:

"مجھے بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اگر ہم مر گئے ہوتے تو شاید ہمارے جنازے پر بھی اتنا ہجوم نہ ہوتا۔ اگر وہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتے یا سر پر

خاک پھینکتے تو مجھے اتنی تکلیف نہ ہوتی۔"

ملکہ نے آنکھوں میں آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا "عالیجاہ! ہم مر چکے ہیں ——— ہم اسی دن مر گئے تھے جب الحمرا پر دشمن اپنا پرچم نصب کر رہا تھا اور لوگ مُردوں سے انتقام نہیں لیا کرتے۔"

"نہیں! نہیں!!" ابوعبداللہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا "دراصل میں اسی روز مر گیا تھا جب میں نے اپنے باپ سے غداری کی تھی۔ غرناطہ کا تخت میری قبر تھی۔ میری رعایا میرے گناہ معاف کر سکتی ہے لیکن میں اپنے ضمیر کے انتقام سے نہیں بچ سکتا ——— میں نے بادشاہت کی قبا نہیں پہنی تھی بلکہ اپنی قوم کا کفن نوچ کر اپنے اوپر ڈال لیا تھا ———"

باہر سے ابُوالحسن کی آواز سُنائی دی "عالیجاہ!"

"کون؟ ابوالحسن؟" سلطان نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ———

"عالیجاہ! میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہُوں؟"

"تم اندر آ سکتے ہو۔"

ابوالحسن پردہ اُٹھا کر اندر داخل ہوا اور چند ثانیے تذبذب کی حالت میں سلطان اور ملکہ کی طرف دیکھتا رہا۔

"ابوالحسن! کیا بات ہے۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ اگر میں تمھاری کوئی خواہش پوری کر سکتا ہوں تو تم بلا جھجک بیان کر سکتے ہو ——— اور اگر تم میری دلجوئی کے لیے آئے ہو تو یہ وقت ایسی گفتگو کے لیے موزوں نہیں۔ انشاء اللہ ہم ایک ہی جہاز پر سفر کریں گے اور میں اطمینان سے تمھاری باتیں سُن سکوں گا۔"

"عالیجاہ!" اُس نے بڑی مشکل سے کہا "مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکوں گا۔"

"تم غرناطہ واپس جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں عالیجاہ! ابُوالحسن نے اپنی جیب سے خط نکال کر ابُوعبداللہ کو پیش کرتے ہوئے جواب دیا "میں اس گستاخی پر شرمسار ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ خط پڑھ لیجیے!"

"اس خط میں کوئی ایسی بات ہے جو تم زبانی نہیں کہہ سکتے؟"

"عالیجاہ! یہ مصعب کی بیوی کا خط ہے اور مجھے روانگی سے ایک رات قبل ملا تھا۔"

ابوعبداللہ نے خط پڑھنے کے بعد ملکہ کی طرف بڑھا دیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا "اگر یہ خط تم مجھے اسی وقت دکھا دیتے تو تمھیں یہاں تک سفر کرنے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔ میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ تم سعاد جیسی لڑکی کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے مصعب کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ابوالقاسم کی موت کے بعد تم الفجارہ میں زیادہ عرصہ چین سے نہیں رہ سکو گے اس لیے کم از کم اپنی بیوی اور سعاد کو ہمارے ساتھ بھیج دو! لیکن ان کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی ــــ اب شاید وہ تمھاری وجہ سے مستقبل کے خطرات سے بچ جائے۔ انشاء اللہ! ہم مراکش پہنچ کر تمھارا انتظار کریں گے۔"

ابوالحسن نے کہا "عالیجاہ! اگر انھوں نے میری بات مان لی تو ہم جلد از جلد وہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ مجھے ان خطرات کا پورا احساس ہے جو مجھے مصعب کی رفاقت میں پیش آسکتے ہیں۔"

"تمھارے لیے رات کے وقت تنہا سفر کرنے کی بجائے ان رضاکاروں کے ہمراہ جانا زیادہ مناسب ہوگا، جو میرے ساتھ آئے ہیں۔ میں اپنے میزبانوں سے کہہ دوں گا کہ تم نے جو خیمہ ہمارے لیے نصب کیا ہے، اس میں ہمارا ایک ساتھی آرام کرے گا۔"

ملکہ نے خط پڑھ کر ابوالحسن کو واپس دے دیا اور پھر اپنے ہاتھ سے ہیرے کی ایک انگوٹھی اُتار کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "ابوالحسن! تم سعاد کے لیے میری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو!"

"میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" ابوالحسن نے یہ کہہ کر ہیرے کی انگوٹھی اس سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لی۔ چند ثانیے احسانمندی کی نگاہوں سے سلطان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر اچانک "خدا حافظ!" کہہ کر اُلٹے پاؤں باہر نکل آیا۔

کچھ دیر بعد ابوالحسن سمندر کے کنارے کھڑا مجاہدینِ اسلام کے ان سفینوں کا تصور کر رہا تھا جو ماضی کے ادوار میں اُندلس کے ساحل پر لنگر انداز ہوئے تھے۔ آٹھ صدیوں کی تاریخ اسے ایک خواب معلوم ہوتی تھی اور وہ اپنے دل سے پوچھ رہا تھا: کیا یہ وہی اندلس ہے جسے طارقؒ نے فتح کیا تھا۔ کیا یہ ان مجاہدوں کا وطن ہے جو اسلام کا پرچم فرانس کے میدانوں تک لے گئے تھے؟ کیا یہ وہی سرزمین ہے جس پر کبھی امویوں، کبھی مرابطین اور کبھی موحدین کے لشکر خیمہ زن ہوئے تھے؟ ــــ اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

اچانک کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ابوالحسن نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ابوعامر نے جو ایک لمحہ قبل مسکرا رہا

تھا، ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا " معاف کیجیے! مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ اس قدر پریشان ہیں۔"

ابوالحسن نے حقارت سے منہ پھیر کر اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور قدرے توقف کے بعد بولا " ابوعامر! میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم بار بار مجھے پریشان کیوں کرتے ہو؟"

" جناب! اس گستاخی کے لیے میری معذرت قبول فرمائیے! میرا خیال تھا شاید اس ہجوم میں مجھے آپ کو خداحافظ کہنے کا موقع نہ ملے۔ میں علی الصباح اپنے ساتھیوں کے ہمراہ واپس جا رہا ہوں۔"

" مجھے معلوم ہے کہ تم واپس جا رہے ہو۔"

" جناب! میں اس قابل نہیں کہ آپ کی دلجوئی کر سکوں۔ لیکن اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس قدر مایوس نہیں ہونا چاہیے ——— میں سارا راستہ یہ محسوس کرتا رہا ہوں کہ آپ بہت غم زدہ ہیں ——— آپ کا چہرہ دیکھ کر مجھے کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی مگر میرے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہے ——— اگر میں آپ کا غلام ہوتا تو بھی آخری ملاقات کے موقع پر آپ سے یہ کہتے ہوئے جھجک محسوس نہ کرتا کہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔"

ابوالحسن اس کی طرف چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر قدرے نرم ہو کر بولا:

" ممکن ہے یہ ہماری آخری ملاقات نہ ہو۔"

" مجھے یقین تھا کہ آپ کسی دن واپس آجائیں گے۔ مراکش میں آپ کا دل نہیں لگے گا ———"

ابوالحسن اسے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میں نے اندلس چھوڑنے کا ارادہ

بدل دیا ہے، لیکن وہ خاموش رہا۔ اسے ابوعامر کو اپنا رازدار بنانا پسند نہ تھا۔

ابوعامر نے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے زیادہ جُرأت سے کام لیتے ہوئے کہا ——— " جناب! آپ بُرا نہ مانیں! کبھی ایک تنکا بھی کام آسکتا ہے! مجھے آپ کے دل کا حال اُس دن سے معلوم تھا جب آپ معزز لڑکی کے ساتھ قلعے میں داخل ہوتے تھے ——— پھر آپ سے مہمان خانے میں ملاقات کرنا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔"

ابوالحسن نے تلملا کر کہا " ابوعامر! اگر تم نے اس لڑکی کے متعلق کچھ اور کہنے کی کوشش کی، تو میں تمھارا گلا گھونٹ دوں گا۔"

ابوعامر خوف زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور چند ثانیے نبے بسی کی حالت میں ابوالحسن کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا:

" جناب! میں ایک معزز گھرانے کی نیک اور پاکباز لڑکی کے متعلق کوئی نازیبا بات کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا ——— میرے متعلق آپ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے ——— میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں اسے کسی نہ کسی ذریعے آپ کی طرف سے یہ پیغام دینے کی ذمہ داری لے سکتا ہوں کہ آپ واپس آنے کی نیت سے جا رہے ہیں ——— اسے یہ بتانا ضروری ہے کہ جب آپ سمندر کے کنارے کھڑے تھے تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔"

" ابوعامر!" ابوالحسن نے قدرے متاثر ہو کر کہا " میرے آنسو اندلس کے لیے تھے ——— اور اس لڑکی کو پیغام دینے کے لیے تمھاری خدمات کی ضرورت نہیں، ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ تم کچھ اور کہنا چاہتے ہو؟"

ابوعامر خاموش رہا اور ابوالحسن نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"جناب! خدا حافظ!!" اس نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا "میں ہمیشہ آپ کے لیے دُعا کیا کروں گا۔"

اس کے بعد وہ ہجوم میں غائب ہو چکا تھا۔

○

غروب آفتاب سے کوئی گھنٹے بھر بعد اندلس کے آخری تاجدار کو الوداع کہنے والے پُرنم آنکھوں سے مراکش کے جہازوں کی آخری جھلک دیکھ رہے تھے۔

ابوعبداللہ جہاز پر سوار ہونے سے پہلے مقامی سرداروں سے اپنے ایک معزز ساتھی کے بیٹے کی حیثیت سے ابوالحسن کا تعارف کروا چکا تھا اور جہازوں کی روانگی کے بعد آٹھ سردار خیمے تک اس کے ساتھ آئے اور کچھ دیر اس سے باتیں کرتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک نے ابوالحسن کو چند دن اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی لیکن اس نے سب کو یہی جواب دیا "میں ایک ضروری کام سے واپس جا رہا ہوں اور میرے لیے راستے میں تھوڑی دیر کے لیے رکنا بھی بہت مشکل ہے۔ ہاں! اگر کبھی موقع ملا تو میں آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔"

رخصت ہونے سے پہلے ایک رئیس نے اپنے تین نوکروں کو اس کے گھوڑے کی رکھوالی اور چار مسلح رضاکاروں کو خیمے کی حفاظت کا حکم دیا۔

اگلی صبح ابوالحسن سفر کے لیے تیار ہو کر خیمے سے باہر نکلا تو ایک نوکر اس کے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑا تھا اور ابوعامر اپنے گھوڑے کی زین پر بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے ابوالحسن کو دیکھ کر سلام کیا اور بولا "جناب!

میرے ساتھی جا چکے ہیں، مگر میں آپ کا گھوڑا دیکھ کر رُک گیا ہوں ـــــ آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں!" ابوالحسن نے بد دلی سے جواب دیا۔

"میں بہت خوش ہوں۔ میرے ساتھی زیادہ دُور نہیں گئے ہوں گے ہم بہت جلد ان سے جا ملیں گے۔"

ایک نوکر نے کہا "جناب! آپ کا گھوڑا سیر ہو چکا ہے اور ہم نے اس کا توبرا بھی اناج سے بھر دیا ہے۔ ہمارے آقا یہ حکم دے گئے تھے کہ اگلی منزل پر آپ کو گھوڑے کی خوراک کے متعلق پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔"

"میں تمہارے آقا کا شکر گزار ہوں۔" ابوالحسن نے یہ کہہ کر باری باری نوکروں اور رضاکاروں سے مصافحہ کیا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ابوعامر نے بھی اُس کے پیچھے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

قریباً دو گھنٹے وہ خاموشی سے سفر کرتے رہے۔ پھر ایک جگہ چڑھائی پر جب گھوڑوں کی رفتار ذرا سست ہونے لگی تو ابوعامر نے اپنا گھوڑا ابوالحسن کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا "میں بہت خوش ہوں کہ آپ واپس چل رہے ہیں۔ مصعب بھی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔ میرا خیال ہے اس رات ان کا غلام یہی پیغام لایا ہو گا کہ آپ مراکش نہ جائیں۔ اتنی بڑی جاگیر کا انتظام سنبھالنے کے لیے مجھے ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہے۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "ابوعامر! یہ شاید تمہاری دعاؤں کا اثر ہے کہ میں واپس چل رہا ہوں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ میں مصعب کی ملازمت اختیار کر لوں۔"

"اگر آپ کو کسی اور ملازمت کی ضرورت پیش آئے تو میں اپنے آقا سے بات کر سکتا ہوں اور وہ آپ کو کوئی ایسی ملازمت دے سکتا ہے جو آپ کی شان

کے شایاں ہو۔"

"نہیں! فی الحال میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ میں واپس جا کر کیا کروں گا۔ بہرحال میں تمھارا شکر گزار ہوں۔"

"سلطان آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ وہ اس بات سے خفا تو نہیں ہوئے کہ آپ ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔"

"نہیں!" ابوالحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ابوعامر کے ساتھیوں اور دوسرے لوگوں کے قافلے سے جا ملے اور اس کے بعد کئی میل سفر کے دوران ابوعامر کو باتیں کرنے کا موقع نہ ملا۔ تیسرے پہر قافلہ ایک بستی میں رُک گیا، مگر ابوالحسن سونے سے پہلے ایک اور منزل طے کرنا چاہتا تھا، اس لیے ابوعامر کو بھی وہاں منزل کرنے کا ارادہ تبدیل کرنا پڑا۔

رات انھوں نے ایک بستی کے رئیس کے ہاں قیام کیا اور صُبح ناشتا کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہو گئے۔ آگے چڑھائی ذرا سخت تھی، تھکاوٹ کے باعث ان کے گھوڑوں کی رفتار بھی بتدریج سست ہو رہی تھی۔ دوپہر کے وقت وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کی نیت سے ایک بستی کی سرائے میں رُک گئے۔

ابوالحسن نے کھانا کھانے کے بعد ظہر کی نماز کے لیے مسجد کا رُخ کیا، لیکن ابوعامر آخری نوالہ حلق سے اُتارتے ہی چٹائی پر دراز ہو گیا اور جب ابوالحسن نماز سے فارغ ہو کر واپس آیا تو اس کے ساتھی کے خراٹے دُور دُور تک سُنائی دے رہے تھے۔

سرائے کے مالک نے کہا "جناب! آپ کا نوکر بہت تھکا ہُوا

ہے۔ آپ بھی کچھ دیر آرام کر لیں، میں نے کمرے میں آپ کے لیے بستر لگوا دیا ہے۔ آپ کے گھوڑوں کے آگے چارہ بھی ڈلوا دیا ہے۔ دو تین گھنٹوں تک وہ تازہ دم ہو جائیں گے۔ اگر آپ رات یہاں گزار سکتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"نہیں!" ابوالحسن نے جواب دیا "میں تھوڑی دیر سستانے کے بعد روانہ ہو جاؤں گا۔"

وہ کمرے کے اندر جا کر لیٹ گیا اور چند منٹ اونگھنے کے بعد گہری نیند سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو عصر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر سرائے کے مالک کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور ابوعامر کو جو ابھی تک خراٹے لے رہا تھا جھنجھوڑ کر جگایا اور نماز کے لیے مسجد کی طرف چل دیا۔

جب وہ واپس آیا تو صحن میں ایک نوکر اور ابوعامر گھوڑوں کی لگامیں تھامے اُس کا انتظار کر رہے تھے اور سرائے کا مالک ان کے قریب کھڑا تھا۔ ابوالحسن نے سرائے کے مالک کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جیب سے چاندی کے دو سکّے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

سرائے کے مالک نے کہا "جناب! یہ بہت زیادہ ہیں۔ اتنے پیسوں کے بدلے آپ کل تک یہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ اب شام ہونے والی ہے اور پہاڑی علاقے میں رات کا سفر تکلیف دہ ہو گا۔"

ابوعامر نے کہا "ہاں جناب! میرا بھی یہی مشورہ ہے کہ آپ رات آرام کریں۔ ہمارے گھوڑوں کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔"

ابوالحسن نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑ کر رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے کہا "میں کافی آرام کر چکا ہوں۔ میرا گھوڑا بھی تازہ دم ہو چکا ہے تم اگر چاہو تو یہاں قیام کر سکتے ہو

"میں آپ کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں، چلیے!" ابو عامر نے جلدی سے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑلی۔

ابوالحسن نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہی ایڑ لگا دی اور ابو عامر اس کے پیچھے ہولیا۔ گاؤں سے نکلتے ہی ابوالحسن نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ شام ہونے تک وہ اپنی منزل کا ایک تہائی راستہ طے کر چکے تھے اور جب رات آگئی تو انھیں اپنے گھوڑوں کی رفتار کم کرنی پڑی۔

ابو عامر تھکاوٹ سے چور ہو چکا تھا اور ابوالحسن کو راستے کی ہر بستی میں باقی رات گزارنے کا مشورہ دیتا تھا مگر وہ ہر بار یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر دیتا کہ ہم منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

آدھی رات کے وقت وہ قلعے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابوالحسن نے دوراہے پر اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور مڑ کر ابو عامر سے مخاطب ہوا:

"مجھے افسوس ہے کہ تمھیں میری وجہ سے اتنی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اب اگر وہ تمھارے لیے قلعے کا دروازہ کھول دیں تو تم جی بھر کر آرام کر سکو گے۔"

ابو عامر نے کہا "میں صرف آپ کے لیے یہاں تک آیا ہوں، ورنہ میرے بال بچے پچھلی بستی میں رہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت مصعب کا دروازہ کھٹکھٹانے کی بجائے یہیں ٹھہرنے پر آمادہ ہو جائیں تو میں آپ کے لیے قلعے کا دروازہ کھلوانے کی کوشش کروں۔ میرا گھر اس قابل نہ تھا، ورنہ میں آپ کو وہاں ٹھہرنے کی دعوت دیتا۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرے دوست! اگر میں رک سکتا تو اس قلعے کی بجائے تمھارے گھر پر ٹھہرنے کو ترجیح دیتا۔ اب تم اپنے گھر جاؤ!"

ابو عامر نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ رات کے وقت مصعب کے

آدمی قلعے کا دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

"تم میری فکر نہ کرو! خدا حافظ!!"

ابو عامر نے کہا "مجھے ان کے خیمے نظر نہیں آتے ——— شاید وہ قلعے میں منتقل ہو چکے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارے نئے آقا آپ جیسے معزز لوگوں کے لیے مہمان خانے کا دروازہ بند کر دیں گے۔ آپ جب چاہیں وہاں آ سکتے ہیں اور میری موجودگی میں آپ کو یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی کہ آپ کون ہیں؟ مجھے یقین ہے کہ جب حارث کو یہ معلوم ہو گا کہ سلطان کا ایک دوست جسے انھوں نے اپنے اصطبل کا بہترین گھوڑا بطور تحفہ دیا تھا، آدھی رات کے قریب یہاں ٹھہرنے کی بجائے مصعب کے ہاں چلا گیا تھا تو انھیں بہت افسوس ہو گا اور میرے ساتھی جو مجھے آپ کے ساتھ دیکھ چکے ہیں، وہ بھی مجھے ملامت کریں گے۔"

ابوالحسن کی قوتِ برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے کہا "حارث سے میرا ذکر کرنا ضروری نہیں، اور اپنے ساتھیوں سے تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے تمھارے اصرار کے باوجود یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ خدا حافظ!"

——— اور اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

○

فجر کی نماز پڑھ کر سعاد نیم خوابی کی حالت میں اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ سعیدہ، اس کی خالہ کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"بیٹی سعاد!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں تمھارے لیے یہ تحفہ لائی ہوں۔"

"کیا تحفہ خالہ جان؟" سعاد نے تھکی ہوئی آواز میں پوچھا۔

سعیدہ نے جواب دینے کی بجائے پیار سے سعاد کا خوبصورت ہاتھ پکڑ کر اُنگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔

"خالہ جان! آپ کو معلوم ہے کہ مجھے زیورات کا شوق نہیں۔" سعاد نے اُٹھ کر انگوٹھی اُتارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹی! یہ سلطان ابوعبداللہ کی ملکہ کا تحفہ ہے اور تمھیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔"

سعاد حیرت کے عالم میں کبھی چمکتے ہوئے نگینے اور کبھی اپنی خالہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے اور اُس نے شکایت کے لہجے میں کہا "آپ کو اُن سے کوئی چیز نہیں لینی چاہیے تھی۔ آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ وہ اس قدر قیمتی انگوٹھی آپ کے پاس چھوڑ گئی ہیں؟"

"بیٹی!" سعیدہ نے کہا "یہ انگوٹھی مجھے ابھی ملی ہے، اور اسے واپس کرنا ممکن نہیں۔ اب شاید ان کے جہاز سمندر عبور کر چکے ہوں گے۔"

"کون لایا ہے؟"

خالہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹی! ملکہ کا ایلچی میرے کمرے میں بیٹھا ہوا ہے، اور میں اس سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ سعاد اُن سے کوئی تحفہ لینا پسند نہیں کرتی۔ تم خود اس سے بات کر سکتی ہو۔"

"ملکہ کا ایلچی! آپ کے کمرے میں؟ خالہ جان! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

خالہ نے آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرتے ہوئے جواب دیا:

"میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ابوالحسن واپس آگیا ہے۔ سلطان اور ملکہ نے جہاز

پر سوار ہونے سے قبل اچانک محسوس کیا تھا کہ وہ تمھیں اس ویرانے میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ آدھی رات کے بعد یہاں پہنچا تھا۔"

سعاد کچھ دیر سکتے کے عالم میں اپنی خالہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اچانک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور وہ اس کی گود میں سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

سعیدہ نے کہا "مجھے یقین تھا کہ وہ تمھیں چھوڑ کر واپس نہیں جائے گا اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا تھا کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر تمھارے خالو سے کہوں گی کہ میں اپنی معصوم بچی کا مستقبل اس بہادر اور شریف نوجوان کو سونپتی ہوں ـــــ تمھیں میرا فیصلہ منظور ہے نا سعاد؟"

سعاد نے جواب دینے کی بجائے خالہ کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

ایک خادمہ نے دروازے سے اندر جھانکتے ہوئے کہا "آقا تشریف لے آئے ہیں اور مہمان سے باتیں کر رہے ہیں۔"

مصعب کی بیوی جلدی سے اُٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنے کمرے میں مصعب اور ابوالحسن کی باتیں سُن رہی تھی۔ ابوالحسن الفجارہ سے لے کر سمندر کے ساحل تک سلطان کے سفر اور جہاز پر سوار ہونے کے واقعات سُنا رہا تھا۔

جب اس نے بات ختم کی تو مصعب کی بیوی نے اپنے شوہر سے مخاطب ہو کر کہا "اللہ کا شکر ہے کہ ابوالحسن واپس آگیا ہے اور ملکہ کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے۔ انھوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔"

مصعب نے کچھ سوچ کر ابوالحسن سے پوچھا "تم نے سلطان سے واپس

آنے کی اجازت لی تھی ؟"

مصعب کی بیوی نے مضطرب ہو کر پوچھا "ابوالحسن نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ جب اس نے واپس آنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو ملکہ نے سعاد کے لیے اپنی انگوٹھی اُتار کر پیش کر دی تھی ـــــ ؟" پھر وہ کچھ سوچ کر ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوئی "بیٹا! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ تمھیں سعاد کی بے بسی پر رحم آ گیا تھا۔ میرا شوہر اتنا نادان نہیں کہ ایسی باتیں نہ سمجھ سکے۔"

ابوالحسن نے حیا سے سر جھکا لیا۔

مصعب نے کہا "بیٹا! مجھے معلوم نہیں کہ اب تک میری بیوی تم سے کیا کیا باتیں کر چکی ہے تاہم تمھیں میری طرف سے کسی اطمینان کی ضرورت ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سعاد اور اس کی خالہ کی کوئی خواہش رد نہیں کی جائے گی۔"

سعیدہ بولی "اگر مجھے اس بات کا احساس نہ ہوتا کہ لوگ ہمیں ابوالقاسم کی موت کے متعلق بے حسی کا طعنہ دیں گے تو میں آپ سے یہ التجا کرتی کہ ہمیں بلا تاخیر سعاد کا مستقبل ابوالحسن کو سونپ دینا چاہیے۔"

"سعیدہ!" مصعب نے تلخ ہو کر کہا "مجھے بات تو کرنے دو! تم نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ سعاد کے مستقبل کے متعلق تم مجھ سے زیادہ سوچتی ہو ـــــ ابوالحسن! میں تمھیں مبارکباد دیتا ہوں اور میری یہ خواہش ہے کہ ہم ایک ہفتہ کے اندر اندر اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔"

"لیکن اتنی جلدی؟" سعیدہ حیران ہو کر اپنے شوہر کی طرف دیکھنے لگی۔

مصعب نے کہا "مجھے اپنے مستقبل کے متعلق کوئی اطمینان نہیں اور ابوالحسن کو بھی ہر وقت یہاں سے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رہی سعاد تو اسے صرف رفیقۂ حیات کی حیثیت سے ہی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا جا سکتا

ہے۔"

تھوڑی دیر وہ رُکا اور پھر بولا:

"ہم صرف اُس وقت تک محفوظ ہوں گے، جب تک ابوالقاسم کے غائب ہو جانے کی خبر مشہور نہیں ہو جاتی اور حکومت کے جاسوسوں کو یہ شک نہیں ہو جاتا کہ ہم ان کے قاتلوں کو جانتے ہیں۔ میں سلطان کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے مجھے ابوالقاسم کے متعلق خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی، ورنہ میں یقیناً کوئی حماقت کر بیٹھتا اور آج ہمارے دروازے پر دشمن کے جاسوسوں کا پہرا ہوتا۔ اب تم میرے اضطراب کی وجہ سمجھ سکتی ہو۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے بالآخر ابوالحسن نے کہا۔

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ بھی ہمارے ساتھ یہاں سے روانہ ہو جائیں؟"

"نہیں! اگر تم سعیدہ کو رضامند کر سکو تو میں تمھارا شکرگزار ہوں گا لیکن میرے لیے اپنے ماضی سے دامن چھڑا کر بھاگنا بہت مشکل ہے۔ جب حالات مجھے مجبور کر دیں گے تو میں اندلس کو الوداع کہنے کے لیے آخری قافلے کا انتظار کروں گا۔"

سعیدہ نے آبدیدہ ہو کر کہا:

"لیکن آپ یہ کیسے سوچ سکتے ہیں کہ میں موت سے پہلے آپ کا ساتھ چھوڑ دوں گی۔"

مصعب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا

"اس وقت ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، مگر جب سعاد کے متعلق ہمارے خدشات دُور ہو جائیں گے تو ہم اپنے مستقبل کے متعلق زیادہ اطمینان سے سوچ سکیں گے۔"

مسرّتیں اور آنسو

چھٹے روز مصعب نے وادی کے ساٹھ معمر کسانوں کو کھانے کی دعوت دی اور طلوعِ آفتاب سے کچھ دیر بعد وہ قلعے کے صحن میں شامیانے کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔

گزشتہ تین برس میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس طبقے کے لوگوں کو مہمانوں کی حیثیت سے خوشنما قالینوں پر بٹھایا جا رہا تھا، ابوالحسن نیا لباس پہنے اُن کے سامنے علاقے کے قاضی اور مصعب کے درمیان سر جھکائے بیٹھا تھا ___ حاضرینِ مجلس کی نگاہیں اسی کے خوبصورت چہرے پر مرکوز تھیں۔

مصعب کچھ دیر قاضی سے باتیں کرتا رہا اور پھر اس نے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "برادران! میں نے آپ کو اپنی بھانجی سعاد کی شادی میں شرکت کے لیے یہاں تشریف لانے کی تکلیف دی ہے۔"

محفل پر ایک سناٹا چھا گیا ___ ان کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ دولہا کون ہے۔ اگر ابوالحسن انتہائی سادہ لباس میں ملبوس ہوتا تو بھی وہ یہی خیال کرتے کہ اس مجلس میں ابوالقاسم کے خاندان کی لڑکی کا رفیقِ حیات بننے والا اس خوش وضع نوجوان کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، لیکن یہ اعلان جس

قدر اچانک تھا، اسی قدر غیر متوقع بھی تھا۔ انھیں اس بات پر حیرت تھی کہ الفجارہ کا کوئی معزز سردار وہاں موجود نہ تھا اور ابوالقاسم بھی جسے ہر حالت میں اس موقع پر موجود ہونا چاہیے تھا، غیر حاضر تھا۔

"برادران!" مصعب نے ابوالحسن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ نوجوان جسے ہم نے اپنی بچی کی دائمی رفاقت کے لیے منتخب کیا ہے، ابوالحسن ہے! آپ اس بات سے حیران ہوں گے کہ اس شادی پر کوئی ایسا اہتمام نہیں کیا گیا جسے ہمارے خاندان کے شایانِ شان سمجھا جاتا۔ لیکن بعض فرائض ایسے ہوتے ہیں جو انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں

سلطان کی ہجرت ایک بہت بڑا سانحہ تھا اور میں جانتا تھا کہ لوگوں کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے۔ اس لیے میں اپنے چند پڑوسیوں کے سوا باہر کے کسی رئیس یا سردار کو یہ پیغام بھیجنے کی جرأت نہ کر سکا کہ ہمارے گھر میں شادی ہو رہی ہے۔ مجھے آپ حضرات کو بھی شادی کا دعوت نامہ بھیجتے ہوئے جھجک محسوس ہوتی تھی۔ اگر میں ایسا کرتا تو آپ شاید یہی سمجھتے کہ میرے دل پر موجودہ حالات کا کوئی اثر نہیں۔ اب میں آپ کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اچانک یہ فیصلہ کیوں کرنا پڑا

ابوالحسن غرناطہ کے ایک انتہائی معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے والد غرناطہ کے ایک نامور اور بہادر سپاہی تھے۔ یہ نوجوان اپنے والدین کی وفات اور خاندان کے باقی افراد کی ہجرت کے بعد سلطان کے پاس آ گیا تھا

ابوالقاسم جب پچھلی مرتبہ یہاں آئے تھے تو انھوں نے مجھے اختیار دیا تھا کہ میں کوئی موزوں رشتہ تلاش کر کے سعاد کی شادی کر دوں

میں سلطان سے ابوالحسن کے متعلق بات کرنے کی سوچ رہا تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ہجرت کرنے والے ہیں اور ابوالحسن بھی اُن کے ساتھ جا رہا ہے تو میں نے ارادہ بدل دیا

سعاد کی خالہ کو بھی یہ نوجوان بہت پسند تھا اور انھیں اس بات کا افسوس تھا کہ وہ جا رہا ہے، لیکن قدرت کو یہی منظور تھا۔ ملکہ کو میری بھانجی بہت عزیز تھی۔ سلطان ابوالحسن کے قدردان تھے اور وہ ان کے درمیان ایک وسیلہ بن گئے۔ انھوں نے ساحل سے ابوالحسن کو واپس کر دیا اور مجھے یہ پیغام بھیجا کہ اگر میں سعاد کو اس کے عقد میں دے دوں تو انھیں بہت خوشی ہو گی۔ انھوں نے یہ تاکید بھی کی ہے کہ انھیں شادی کے بعد جلد از جلد مراکش بھیج دیا جائے

اگر ابوالقاسم یہاں ہوتے تو ہم سلطان کے آخری حکم کی تعمیل میں ایک دن بھی تاخیر سے کام نہ لیتے۔ وہ مجھ سے یہ کہہ گئے تھے کہ اگر سعاد کے لیے کوئی موزوں رشتہ مل جائے تو کسی تاخیر کے بغیر اس کا نکاح کر دیا جائے اگر مجھے صرف دو دن قبل اطلاع مل جائے گی تو بھی میں پہنچ جاؤں گا

میں نے ابوالحسن کی آمد سے تھوڑی دیر بعد انھیں شادی کی تاریخ کی اطلاع بھیجی تھی اور میرا خیال تھا کہ وہ دو تین دن قبل یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر اگر انھوں نے مشورہ دیا تو شاید یہاں کسی بڑی دعوت کا انتظام کیا جاتا، لیکن بدقسمتی سے وہ غرناطہ میں نہیں ہیں اور اُن کے گھر میں بھی کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وہ طلیطلہ چلے گئے ہوں بہر حال آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ایسے حالات میں میں اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اس علاقے کے ہر آدمی کو دعوت نہیں دے

سکا، لیکن کسی کو یہ شکایت نہیں ہونی چاہیے کہ میں نے اسے نظر انداز کیا ہے۔
اس لیے میں ابوالقاسم کی طرف سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ اُن کی جاگیر کے تمام کسانوں کو اگلی فصل کا پورا لگان معاف کر دیا گیا ہے۔"

تقریر ختم کرنے کے بعد مصعب۔ نے ابوالحسن کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا اور قاضی کے علاوہ دو معمر آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر چلا گیا۔

اور تھوڑی دیر بعد ابوالحسن اور سعاد قاضی اور گواہوں کے سامنے باری باری ایک مقدس رسم کے آخری الفاظ دہرا رہے تھے:

"مجھے منظور ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔"

کائنات کی وسعتیں سمٹ رہی تھیں اور انھیں ایک چھوٹے سے دائرے میں ایک دوسرے کے سوا کسی اور کی موجودگی کا احساس نہ تھا۔

○

مہمان کھانا کھانے کے بعد رخصت ہو چکے تھے۔ دُلہن کے کمرے میں چند عورتیں جمع تھیں اور دوسرے کمرے میں ابوالحسن مصعب اور اس کی بیوی کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔

مصعب نے سعیدہ سے مخاطب ہو کر کہا "تم اس بات سے پریشان تھیں کہ جب میں لوگوں کو گھر بلا کر اچانک شادی کا اعلان کروں گا تو وہ کیا خیال کریں گے لیکن اب تم ابوالحسن سے پوچھ سکتی ہو کہ ان کے ساتھ میری گفتگو کتنی مؤثر تھی۔ قاضی بہت ہوشیار آدمی ہے، لیکن میں نے اُسے بھی یہ احساس

نہیں ہونے دیا کہ میں ایک فرضی داستان سُنا رہا ہوں۔ وہ کہتا تھا کہ موجودہ حالات میں ہمیں یہی کرنا چاہیے تھا

اب میرے ذہن میں حارث کے متعلق تھوڑی سی اُلجھن باقی ہے۔ وہ یقیناً یہ شکایت کرے گا کہ میں نے اسے کیوں دعوت نہیں دی اور آپ جانتی ہیں کہ میں ایک ایسے پڑوسی کو ناراض بھی نہیں کر سکتا جو حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ آج شام یا کل صبح اس سے مل کر یہ کہوں کہ ابوالقاسم کی غیر حاضری کے باعث ہم کسی معزز آدمی کو دعوت نہیں دے سکے۔ جب وہ آئیں گے تو ہم آپ جیسے لوگوں کے لیے ایک علیحدہ دعوت کا اہتمام کریں گے

اور ہاں سعیدہ! اس نے ذرا سوچتے ہوئے کہا ـــ ابوالحسن اور سعاد کو ہر وقت سفر کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ صُبح صُبح مجھے یہ اطلاع ملی تھی کہ طلوعِ آفتاب سے قبل پڑوس کی ایک بستی کے کسانوں نے چند سوار کو دوسری وادی کا رُخ کرتے دیکھا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ قلعے کی طرف گئے تھے یا آگے نکل گئے ہیں۔"

سعیدہ نے کہا "وہ غرناطہ کے مہاجر ہوں گے۔"

مصعب بولا "مہاجرین کا قافلہ صرف چند سواروں پر مشتمل نہیں ہوتا اور وہ رات کے وقت سفر بھی نہیں کرتے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غرناطہ سے کوئی قافلہ اس طرف آئے اور ہمیں اطلاع نہ ملے۔ پچھلے پہر سفر کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ یہ سوار کسی مہم پر جا رہے تھے اور انھوں نے رات کے وقت راستے میں قیام نہیں کیا۔"

سعیدہ نے کہا "آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا

کہ سوار غرناطہ کی بجائے راستے کی کسی وادی سے آئے ہوں۔"

مصعب چند ثانیے سر جھکا کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر اُس نے کہا "سعیدہ! میں کچھ وہمی سا ہو گیا ہوں۔ در اصل مجھے ہر وقت یہ پریشانی رہتی ہے کہ سعاد اور ابو الحسن اس جگہ محفوظ نہیں۔"

سعیدہ نے مضطرب ہو کر کہا "کیا آپ کوئی اچھی بات نہیں سوچ سکتے؟"

ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "جناب! ایک معزز آدمی آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرا نام حارث ہے اور میں آپ کو مبارکباد دینے آیا ہوں۔ ہم نے اسے مُلاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے۔"

چند لمحے وہ دونوں اضطراب کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر مصعب نے ڈوبتی ہوئی آواز میں پوچھا "وہ اکیلا آیا ہے؟"

"نہیں جناب!" نوکر نے جواب دیا "اس کے ساتھ آٹھ دس مسلح سوار بھی آئے ہیں اور وہ قلعے کے دروازے سے باہر کھڑے ہیں۔"

مصعب نے اُٹھ کر کہا: "سعیدہ! میں نیچے جاتا ہوں۔ ممکن ہے کہ ہمیں فوراً کوئی فیصلہ کرنا پڑے اس لیے تم عورتوں کو رخصت کر دو اور سعاد کو یہاں لے آؤ اور بیٹا ابو الحسن! تم سفر کے لیے تیار ہو جاؤ!"

ابو الحسن نے اُٹھ کر جواب دیا "میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ ہمیں یہ تاثر نہیں دینا چاہیے کہ میں اس کی نگاہوں سے چھپنا چاہتا ہوں۔ میں اس وقت بھاگنے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر وہ میرے ہی لیے آئے ہیں تو اب تک فرار کے تمام راستے بند کر چکے ہوں گے۔ ہمارے لیے کسی خطرے سے بچنے کی یہی ایک صورت ہے کہ ہم اپنے حواس قائم رکھیں میری خواہش ہے کہ آپ اسے اس سے زیادہ کچھ نہ بتائیں کہ میں

چند ہفتے قبل آپ کے لیے ایک اجنبی تھا۔ غرناطہ سے سلطان کے پاس آیا تھا اور ان کی قیام گاہ پر ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ــــــ آپ کو یہ معلوم نہیں کہ ابو القاسم کہاں ہے اور اس بارے میں میں نے آپ کو کوئی اطلاع بھی نہیں دی! میری طرف داری سے آپ پر مصیبت تو آ سکتی ہے، مجھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا ــــــ آیئے!" ابو الحسن نے مصعب کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ بادلِ نخواستہ اس کے ساتھ چل دیا۔

چند منٹ بعد وہ ملاقات کے کمرے میں حارث سے مصافحہ کر رہے تھے۔ بھاری جسم اور درمیانے قد کا یہ آدمی اُن لوگوں میں سے تھا جو نصف صدی کی بہاریں دیکھنے کے بعد بھی چالیس سال کے نظر آتے ہیں اور جن کے چہرے پر گوشت کی بھاری تہہ ایک نقاب کا کام دیتی ہے۔

"تشریف رکھیے!" مصعب نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو دعوت نہ دے سکا۔ حالات ایسے تھے کہ میں علاقے کے کسی سرکردہ آدمی کو نہیں بلا سکا اور میں نے صرف ایک رسم پوری کرنے کے لیے اپنے چند کسانوں کو بلایا تھا۔ اگر ہم سلطان کی ہجرت کے فوراً بعد کسی خوشی کا مظاہرہ کرتے تو لوگ ہمیں بے حسی کا طعنہ دیتے، تاہم اگر ابو القاسم تشریف لے آتے تو آپ کے علاوہ دو چار اور معزز لوگوں کو دعوت ضرور دی جاتی ــــــ یہ ابو الحسن ہیں اور میری بھانجی جس کے ساتھ ان کا نکاح ہوا ہے ایک یتیم لڑکی ہے۔"

حارث نے ابو الحسن سے دوبارہ مصافحہ کرنے کے بعد اسے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا "نوجوان! میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں!" وہ چند ثانیے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر مصعب سے مخاطب ہو کر بولا:

"ان حالات میں آپ کو یہی کرنا چاہیے تھا، لیکن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آج آپ کے خاندان کی ایک یتیم لڑکی کی شادی ہو رہی ہے تو میں شاید دعوت کے بغیر بھی حاضر ہو جاتا۔ مجھے ایک نوکر نے اطلاع دی تھی اور اس کو غالباً آپ کے کسی کسان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ آپ نے اس شادی کی خوشی میں ایک فصل کی تمام لگان معاف کر دی ہے ـــــــ میں آپ کو اس بات پر بھی مبارکباد دینا چاہتا تھا کہ آپ نے ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔"

مصعب کی پریشانی کسی حد تک دُور ہو چکی تھی تاہم اس نے مزید صفائی پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے ایک بار پھر ذرا اختصار کے ساتھ اپنی داستان سُنادی اور اختتام پر کہا "مجھے امید ہے کہ ابوالقاسم بہت جلد آجائیں گے اور ہم انشاء اللہ ایک بڑی دعوت کا انتظام کریں گے۔"

حارث نے کچھ سوچ کر کہا "قلعے کے نوکروں نے مجھے بتایا تھا کہ ابوالحسن وزیر ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز وہاں پہنچا تھا۔"

"ہاں!" مصعب نے ابوالحسن کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ غرناطہ کے راستے میں ابوالقاسم سے اس کی ملاقات ضرور ہوئی ہوگی؟" حارث کی نگاہیں ابوالحسن کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اُس نے جواب دیا "میں نے راستے میں کئی لوگ دیکھے تھے لیکن ابوالقاسم سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ پھر میں نے انھیں غرناطہ میں بھی اتنا قریب سے نہیں دیکھا تھا کہ اگر وہ راستے میں نظر آتے تو انھیں پہچان لیتا۔"

حارث نے سوال کیا "تم نے کسی جگہ چند مسلمان اور چند نصرانی سوار دیکھے تھے؟"

"نہیں!" ابوالحسن نے جواب دیا "میں راستے میں گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد جب مجھے ہوش آیا تو میرا گھوڑا وہاں موجود نہ تھا۔ پھر مجھے پیاس محسوس ہوئی تو میں پانی کی تلاش میں وادی کی ایک بستی کی طرف چلا گیا تھا، اس لیے میں ان سواروں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

حارث نے مصعب سے مخاطب ہو کر کہا "آپ ابوالحسن کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج سکتے ہیں؟ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ غرناطہ سے ایک افسر میرے پاس آیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ چند سپاہی غرناطہ کے راستے میں لاپتہ ہو گئے ہیں۔ یہ واقعہ غالباً ابوالقاسم کی روانگی سے اگلے روز پیش آیا تھا، اس لیے یہ افسر جسے تحقیقات کے لیے بھیجا گیا ہے، ہر اُس آدمی سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے جس نے اس روز غرناطہ کے راستے پر سفر کیا تھا۔ میں ابوالحسن کو تکلیف دینا انتہائی نامناسب سمجھتا ہوں لیکن مجھے غرناطہ کے گورنر کی طرف سے یہ حکم موصول ہوا ہے کہ میں اس معاملے میں پورا پورا تعاون کروں اور آپ سے بھی میں تعاون کی توقع رکھتا ہوں۔"

مصعب بے چارگی اور بے بسی کی حالت میں حارث کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ابوالحسن نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ اگر میں غرناطہ کے راستے میں نصرانی سپاہیوں کو نہیں دیکھ سکا تو یہ کوئی جرم نہیں۔ آپ نوکر کو میرا گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیں اور مجھے تیاری کے لیے صرف چند منٹ کی ضرورت ہے۔"

حارث نے کہا "گھوڑا تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے آدمی قلعے سے باہر کھڑے ہیں اور ایک سوار ابوالحسن کو اپنا گھوڑا دے سکتا ہے۔ اگر یہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں سے نکلا تو گھر کے لوگ پریشان ہوں گے،

انشاء اللہ یہ تھوڑی دیر تک واپس آ جائے گا اور آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم اسے پیدل بھیج دیں گے۔"

مصعب بولا "لیکن میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔"

ابوالحسن نے کہا "نہیں! آپ یہیں رہیں۔ ہم دونوں کی غیر حاضری بہت زیادہ محسوس کی جائے گی۔ میرے متعلق آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے غرناطہ سے کسی دوست کی آمد کی اطلاع ملی تھی اور میں نے اچانک ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا ہے" ——— پھر وہ حارث سے مخاطب ہوا "میں صرف چند منٹ کے لیے اجازت چاہتا ہوں۔"

"بہت اچھا! میں آپ کا انتظار کرتا ہوں لیکن یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو وہاں سے جانا میری ذمہ داری ہے اور میں ایک محتاط آدمی ہوں۔"

"آپ کا خیال ہے کہ میں ایک نصرانی افسر سے خوف زدہ ہو کر بھاگ جاؤں گا؟"

حارث مسکرایا "نہیں! نہیں!! میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم بلاوجہ ایسی حرکت کر سکتے ہو۔"

ابوالحسن کمرے سے باہر نکل گیا۔

ابوالحسن بھاگتا ہوا بالائی منزل کے کمرے میں داخل ہوا۔ سعاد اور اس کی خالہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ اس نے کہا "سعاد! میرے پاس بہت تھوڑا وقت ہے۔ اس لیے میری باتیں غور سے سنو! میں نے تمھیں سلطان کے ایک نوکر ابو عامر کے متعلق بتایا تھا جو ساحل سے میرے ساتھ واپس آ

آگیا تھا۔ اب میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ابو عامر ہی ابوالقاسم کے قاتلوں کا جاسوس ہے اور نصرانی اس کی اطلاع پر یہاں آئے ہیں۔ وہ قلعے کی بجائے پاس ہی ایک بستی میں رہتا ہے اور تمھیں اس سے بہت محتاط رہنا چاہیے! اب حارث مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے اور تمھارے خالو تمھیں یہ سمجھا سکیں گے کہ موجودہ حالات میں مَیں انکار نہیں کر سکتا ——— ممکن ہے کہ نصرانیوں کو اس بات کا یقین ہو چکا ہو کہ میں اُن کے جرم کا چشم دید گواہ ہوں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف اپنے شکوک رفع کرنا چاہتے ہوں اور میں انھیں مطمئن کرنے کے بعد واپس آجاؤں ——— یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو یا میں جلدی واپس نہ آسکوں۔"

"نہیں! نہیں!!" سعاد آگے بڑھ کر بے اختیار اپنے شوہر سے لپٹ گئی "الفجارہ میں ابوالقاسم کے قاتل تم پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ لوگ ان کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔" وہ سسکیاں لے رہی تھی۔

ابوالحسن نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "سعاد! خدا کے لیے ہمت سے کام لو اور میری باتیں غور سے سنو! وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں ابوالقاسم کے بارے میں کیا جانتا ہوں اور میں نے تمھیں کیا بتایا ہے۔ میں انھیں مطمئن نہ کر سکا تو وہ دوبارہ یہاں آئیں گے اور پھر تمھارے نوکر بھی محفوظ نہیں ہوں گے۔ اگر تم اس گھر کو تباہی سے بچانا چاہتی ہو تو تمھیں اس کے سوا کچھ نہیں بتانا چاہیے کہ میں زخمی تھا ——— میری ہمت جواب دے چکی تھی۔ اتفاق سے تم ادھر آگئی تھیں۔ میں سلطان کے پاس جانا چاہتا تھا اور تم نے میرے لیے ایک گھوڑے کا انتظام کر کے وہاں پہنچا دیا تھا ——— لیکن میں نے تمھیں یہ نہیں بتایا تھا کہ میں نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا ——— سعاد! میری وجہ

سے اس گھر پر مصیبت نہیں آنی چاہیے۔ تمھارے خالو کو یہ ہرگز تسلیم نہیں کرنا چاہیے کہ میں نے انھیں ابوالقاسم کے قتل کے متعلق کوئی اطلاع دی ہے

اگر انھوں نے ذرا سی بھی غلطی کی تو حکومت کی نظر میں اُن کی وفاداری مشکوک ہو جائے گی اور پھر انھیں ایک دن کے لیے بھی یہاں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ انھیں زبان کھولنے کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنا چاہیے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔ موجودہ حالات میں الفجارہ کے لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ابوالقاسم کے قتل پر مشتعل ہو جائیں گے یا مجھ جیسے گمنام آدمی کے قتل کو کوئی اہمیت دی جائے گی لیکن مجھے یقین ہے کہ کسی دن وہ اپنی بقا کے لیے تلواریں نکالنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ بیکسوں کے ہاتھ صرف دعا کے لیے اُٹھ سکتے ہیں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جزا اور سزا کے مالک کی بارگاہ میں تمھاری دُعائیں رائگاں نہیں جائیں گی۔

سعاد! ہمت سے کام لو۔ مجھے یقین ہے کہ میں واپس آؤں گا۔ اگر مجھے یہ اطمینان ہوا کہ تم ان درندوں سے محفوظ ہو تو میں بڑی سے بڑی مصیبت کا سامنا کر سکوں گا ——— سعاد! خُداحافظ!! خالہ جان! خداحافظ!!"

ابوالحسن اپنی بیوی کی گرفت سے آزاد ہو کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"خداحافظ!" سعاد نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ ابوالحسن اچانک رُک گیا، لیکن اسے مُڑ کر دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سعاد کی خالہ کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی اُس نے لڑکھڑاتے ہوئے دروازے کی طرف چند قدم اُٹھائے، لیکن ابوالحسن جا چکا تھا۔



ابوالحسن قلعے کے اسی کمرے میں کھڑا تھا جہاں سلطان ابوعبداللہ اور اُس کی ملکہ کے ساتھ اس کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے سامنے حارث اور فرڈی نینڈ کی فوج کا افسر، جس کا نام ڈان لوئی تھا، کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے دائیں بائیں ابوعامر اور قلعے کے چار اور نوکروں کے علاوہ آٹھ مسلح نصرانی کھڑے تھے۔

ڈان لوئی ایک قوی ہیکل چالیس سالہ آدمی تھا۔ وہ کچھ دیر دبی زبان میں حارث سے باتیں کرتا رہا، پھر وہ ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا:

"تمھارا نام ابوالحسن ہے؟" وہ اپنی زبان کی بجائے عربی بول رہا تھا۔

"ہاں!" ابوالحسن نے جواب دیا۔

"تمھیں معلوم ہے کہ تمھیں یہاں کس لیے بلایا گیا ہے؟"

"حارث نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں اور آپ مجھ سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں ان کے متعلق کیا جانتا ہوں۔"

ڈان لوئی نے کچھ سوچ کر کہا، "مجھے حارث نے بتایا ہے کہ آج تمھاری شادی ہوئی ہے اور میں کوئی سوال کرنے سے پہلے تمھیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میرے سامنے غلط بیانی تمھارے لیے بہت نقصان دہ ہوگی۔ تم ایک نازک آدمی معلوم ہوتے ہو اور ہم انتہائی سخت جان لوگوں کو بھی سچ بولنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

"آپ کو مجبور کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"بہت اچھا! تم یہ بتا سکتے ہو کہ تم ہمارے آدمیوں کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "میں نے راستے میں چند قاتلوں کو قسطلہ کے سپاہیوں کے بھیس میں دیکھا تھا لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ آپ سے

ان کا کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔"

"قاتلوں سے؟"

"ہاں! جب میں نے انھیں دیکھا تھا تو وہ اپنے ساتھی کو زبردستی پکڑ کر گھوڑے سے اتار رہے تھے۔ گھوڑے سے گرنے کے بعد میں اُسے قتل ہوتے نہیں دیکھ سکا، لیکن مجھے یقین ہے کہ میں نے قاتلوں کو تلواریں بُلند کرتے دیکھا تھا اور مقتول کی چیخیں بھی سُنی تھیں۔"

ڈان لوئی پریشان ہو کر حارث کی طرف دیکھنے لگا تو وہ غصے کی حالت میں ابُوالحسن سے مخاطب ہوا:

"لیکن تم نے میرے سامنے جو داستان بیان کی تھی وہ سراسر اس کے برعکس تھی۔"

ابوالحسن نے جواب دیا "میں جو باتیں یہاں کہہ سکتا ہوں وہ مصعب کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔"

"اس کی وجہ؟" ڈان لوئی نے ابوالحسن کے چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ مصعب میری بیوی کا خالو ہے اور مجھے اُس کے سامنے اپنی بُزدلی کا اعتراف کرتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی تھی ——— میں نے ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے قتل ہوتے دیکھا تھا۔ اُس کی چیخیں سُنی تھیں، لیکن میں اس کی مدد کرنے کی بجائے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ آیا تھا۔ ممکن ہے میں ایک جھاڑی کی اوٹ میں بے حس و حرکت پڑا رہتا، لیکن وہ ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے کو پکڑنے کے لیے سیدھے میری طرف آ رہے تھے اور مجھے پیدل چلنے کی بجائے گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگنا زیادہ آسان

نظر آیا۔ انھوں نے اپنا جرم چھپانے کے لیے مجھے بھی قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور ساری رات میرا پیچھا کیا تھا، لیکن یہ ایک معجزہ تھا کہ میں اُن کے ہاتھ نہ آسکا۔"

ڈان لوئی نے سوال کیا "تمھیں معلوم ہے کہ مقتول کون تھا؟"

"نہیں، لیکن مجھے شبہ ہے کہ وہ ایک مسلمان کا لباس پہنے ہوئے تھا۔"

"تمھیں شبہ ہے؟"

"ہمارے درمیان کافی فاصلہ تھا اور میں بلندی سے اس کا چہرہ اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا تھا۔"

"تم نے یہاں پہنچ کر کسی اور سے بھی اس واقعے کا ذکر نہیں کیا؟"

"یہاں پہنچ کر مجھے اپنی بُزدلی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت نہ تھی۔"

حارث نے سوال کیا "تم مصعب کی بھانجی کے ساتھ یہاں آئے تھے؟"

"ہاں! میرا گھوڑا گر کر ہلاک ہو گیا تھا اور میں ایک خطرناک چٹان سے لڑھک کر زخمی ہو گیا تھا۔ میں بڑی مشکل سے چل رہا تھا۔ پھر راستے میں ایک رحمدل لڑکی کو میری حالت پر ترس آیا اور اس نے یہ سُن کر مجھے سلطان کے پاس پہنچایا کہ چند نامعلوم دشمن میرا پیچھا کر رہے ہیں، لیکن اُس وقت مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ رحم دل لڑکی مصعب اور وزیر اعظم ابوالقاسم کے گھرانے سے کوئی تعلق رکھتی ہے۔"

"تم نے اسے یہ بھی نہیں بتایا کہ تم نے راستے میں کسی کو قتل ہوتے دیکھا تھا؟"

"نہیں!"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں مروت دیکھی تھی۔ اُس نے محض یہ سُن کر مجھے اپنی اعانت کا مستحق سمجھا تھا کہ میں تنہا آٹھ دس آدمیوں کا مقابلہ کر چکا ہوں۔ اس لیے مجھے یہ اعتراف کرنا گوارہ نہ تھا کہ ایک انسان کو قتل ہوتا دیکھنے کے بعد مجھے صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔ آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی آدمی ایک ایسی خاتون کی نگاہوں سے گرنا پسند نہیں کرتا جسے پہلی نظر دیکھتے ہی اُس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ میں اس دنیا میں تنہا نہیں ہوں۔"

ڈان لوئی نے سوال کیا "تم نے ابوعبداللہ کے سامنے بھی یہ واقعات بیان نہیں کیے؟"

"نہیں! انھیں میں نے صرف یہ بتایا تھا کہ میں راستے میں گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا تھا —— مجھے یہ خدشہ تھا کہ وہ فوج کے سپاہیوں کا مقابلہ کرنے والے کو اپنے پاس پناہ نہیں دیں گے۔"

ڈان لوئی نے کچھ سوچ کر سوال کیا "اب تمھیں معلوم ہے کہ جو شخص قتل کیا گیا تھا، وہ کون تھا؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "یہاں پہنچ کر میری معلومات میں صرف اتنا اضافہ ہوا تھا کہ ابوالقاسم میری آمد سے ایک دن قبل غرناطہ روانہ ہوا تھا، اور ذاتی نوکروں کے علاوہ قسطلہ کے چند سپاہی بھی اُس کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور شاید اُن کا راستہ بھی وہی تھا جس پر میں اس طرف آ رہا تھا۔ اگر وہ آدمی جسے میں نے قتل ہوتے دیکھا تھا، وزیر ابوالقاسم کے ساتھیوں میں سے کوئی تھا اور قاتل بھی اُس کے اپنے آدمی تھے تو آپ کو یہ معاملہ حل کرنے کے لیے اُن کے پاس جانا چاہیے تھا۔"

ڈان لوئی اور اُس کے ساتھی کچھ دیر اپنی زبان میں سرگوشیاں کرتے

رہے۔ بالآخر وہ ابوالحسن سے مخاطب ہوا "لیکن تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جب قاتلوں نے تمھارا پیچھا کیا تو تمھارے دل میں یہ خیال ضرور آیا تھا کہ وہ تمھیں اپنے جرم کا چشم دید گواہ سمجھ کر قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "جب وہ زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر انتہائی خطرناک راستے میں میرا پیچھا کر رہے تھے تو میں اس کے علاوہ اور کیا سوچ سکتا تھا —— میرا جرم اس کے سوا اور کیا تھا کہ میں نے ایک آدمی کو قتل ہوتے دیکھا تھا اور پھر اپنی جان کے خوف سے ایک گھوڑا پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا تھا۔"

"اور اس کے بعد تم میں اچانک یہ جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ تمھیں مسلح سپاہیوں پر حملہ کرتے ہوئے بھی کوئی خوف محسوس نہ ہوا؟"

"مجھے اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ وہ مجھے قتل کیے بغیر میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر آس پاس حکومت کی کوئی عدالت ہوتی تو میں وہاں پہنچ کر دہائی دیتا کہ یہ لوگ ایک بے گناہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، لیکن وہاں حالات ایسے تھے کہ میں اپنے ترکش کے تیروں اور چٹانوں پر بکھرے ہوئے پتھروں کے صحیح استعمال سے ہی اس بات کا عملی ثبوت دے سکتا تھا کہ میں زندہ رہنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے تیروں اور پتھروں سے ہمارے تین سوار گھوڑوں سمیت ہلاک اور چار زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم تمھیں اس جرم میں پھانسی دے سکتے ہیں کہ تم نے ہمارے سپاہیوں کا مقابلہ کیا ہے؟"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرا قصور صرف یہ تھا کہ میں نے اپنی جان بچانے کی کوشش کی تھی اور آپ کے سپاہیوں کا جرم یہ تھا کہ وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ معاہدے کے مطابق مسلمان آپ کی رعایا ہیں اور ان کی جان و مال

اور عزت کی حفاظت آپ کا فرض ہے۔ اب اگر آپ کو اس بات پر اعتراض ہے کہ میں تنہا ہونے کے باوجود بچ کر نکل آیا ہوں اور وہ زیادہ ہونے کے باوجود نقصان اُٹھا چکے ہیں، تو آپ کو صلح کے معاہدے میں ترمیم کرنی پڑے گی۔"

ڈان لوئی نے جھنجھلا کر کہا "اس کو لے جاؤ! اور کسی کوٹھڑی میں بند کر دو اور پہرے داروں سے کہہ دو کہ اگر یہ بھاگ گیا تو ان سب کے سر قلم کر دیئے جائیں گے۔"

سپاہی ننگی تلواروں کے پہرے میں ابوالحسن کو لے کر چل دیئے۔ دروازے کے قریب اس نے مُڑ کر حارث اور ابوعامر کی طرف دیکھا۔ حارث کا چہرہ کسی تاثر سے خالی تھا لیکن ابوعامر کا سر جُھکا ہُوا تھا۔

ڈان لوئی نے حارث اور اپنے دو ساتھیوں کے سوا جو اپنے لباس سے فوج کے عہدے دار معلوم ہوتے تھے، باقی سب کو کمرے سے نکال دیا اور پھر تھوڑی دیر سوچنے کے بعد حارث سے مخاطب ہوا "اس لڑکے کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر اسے کوئی سزا دی گئی تو الفجارہ میں اس کا ردعمل کیا ہوگا؟"

حارث نے جواب دیا "جناب! الفجارہ کے حالات ایسے نہیں کہ میں اسے کوئی سزا دینے کا مشورہ دے سکوں! مجھے ڈر ہے کہ اگر اسے قیدی بنا کر یہاں رکھا گیا تو بھی میرے لیے اس قلعے کی حفاظت مشکل ہو جائے گی اور میں آپ کو یہ مشورہ بھی نہیں دے سکتا کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اگر آپ کے آدمی اسے یہاں پہنچنے سے پہلے گرفتار کر لیتے تو ان کے لیے یہ افواہ اُڑانا مشکل نہ تھا کہ ایک سر پھرے نوجوان نے راستے میں ابوالقاسم کو قتل کر دیا تھا۔ پھر اگر اسے قلعے کے دروازے کے سامنے پھانسی دی

جاتی، تو بھی اس کے حق میں کسی کی آواز بلند نہ ہوتی بلکہ الفجارہ کے عوام آپ کے شکر گزار ہوتے لیکن اب ہم یہ موقع کھو چکے ہیں اور اگر اس پر ابوالقاسم کے قتل کا الزام عاید کیا جائے تو گواہی دینے والوں کو اس سوال کا جواب بھی دینا پڑے گا کہ وہ اتنے دن کیوں خاموش رہے اور ایک لڑکا اتنے آزمودہ کار سپاہیوں کی موجودگی میں ابوالقاسم کو قتل کرنے کے بعد بچ کر کیسے نکل گیا۔ کم از کم مصعب کو تو ہماری کسی بات کا یقین نہیں آئے گا۔"

ڈان لوئی کے ایک ساتھی نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا:

"اس وقت ہمارے سامنے یہ مسئلہ نہیں ہے کہ اسے ابوالقاسم کا قاتل ثابت کیا جائے بلکہ ہم اپنے تین بہترین سپاہیوں کے قاتل کو سزا دینا چاہتے ہیں اور وہ اپنا جرم تسلیم کر چکا ہے۔"

حارث نے جواب دیا "مجھے اُن تین سپاہیوں کے قتل ہو جانے کا آپ سے کم افسوس نہیں، لیکن ہم اس وقت غرناطہ میں نہیں، بلکہ الفجارہ میں ہیں اور الفجارہ کے لوگوں کو یہ سمجھانا بہت مشکل ہوگا کہ اپنی جان بچانے کے لیے عیسائی سپاہیوں کا مقابلہ کرنا جرم ہے۔ اسے مصعب کے گھر سے یہاں لانے کے لیے میں نے بہانہ کیا تھا کہ فوج کے چند آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں جنھیں ڈان لوئی تلاش کر رہے ہیں اور اب اگر ہم اپنا یہ موقف تبدیل کریں تو مصعب کے دل میں کئی شکوک پیدا ہوں گے۔"

دوسرے افسر نے کہا "تمھارا خیال ہے کہ مصعب اس لڑکے کی جان بچانے کے لیے حکومت کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کر دے گا؟"

"نہیں! مصعب ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ مسئلہ صرف اس کی ذات تک محدود ہوتا تو میں پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا کہ الفجارہ میں

بہت کم آدمی ایسے ہوں گے جو اس کی آواز پر لبیک کہیں گے لیکن وہ لڑکی جس
کے ساتھ اس کی شادی ہوئی ہے، مصعب اور ابوالقاسم کی رشتہ دار ہونے
کے علاوہ ایک ایسے آدمی کی بیٹی ہے جسے البجارہ کے قبائل غرناطہ کی
جنگِ آزادی کے ایک اولوالعزم سپاہی کی حیثیت سے جانتے ہیں ——
عین شادی کے دن اس کی گرفتاری کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل جائے گی۔
اور پھر میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ ابوالحسن بھی غرناطہ کے ایک بااثر گھرانے سے
تعلق رکھتا ہے۔"

ڈان لوئی نے کہا "تم درست کہتے ہو۔ موجودہ حالات میں ہم یہاں
کسی بے چینی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن تمہارے دل میں یہ خیال کیسے
پیدا ہوا کہ ہم یہاں کسی کھلی عدالت میں اس پر مقدمہ چلانے کے ارادے سے
آئے ہیں، اور آج ہمارے سامنے اُس نے جو بیان دیا ہے، وہ اس کا پہلا
اور آخری بیان نہیں تھا —— ہم اُسے آزاد نہیں کر سکتے۔ اسے قتل بھی
نہیں کر سکتے اور ہمارے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے قلعے میں قیدی بنا کر
رکھا جائے —— اب ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ اسے کسی تاخیر
کے بغیر یہاں سے کہیں دُور پہنچا دیا جائے۔ اس لیے ہم رات کے وقت
قیدی کے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے۔"

حارث نے بدحواس ہو کر کہا "لیکن میں مصعب کو کیا جواب دوں گا؟"

ڈان لوئی بولا "مصعب کو ٹالنے کے لیے واقعی کسی معقول بہانے
کی ضرورت ہے اور اس وقت میرا دماغ کام نہیں کرتا۔ اسے مطمئن کرنا
تمہاری ذمہ داری ہے۔"

حارث نے جواب دیا "ہمارا مقصد مصعب کو مطمئن کرنا نہیں بلکہ

اس کی زبان بند رکھنا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو ہمیشہ کسی خطرے سے
دُور رہنا پسند کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ابوالقاسم
کو قتل ہوتے دیکھتا تو بھی اس کی جاگیر چھن جانے کے خوف سے اپنی زبان بند
رکھتا۔ کم از کم اس وقت تک اس کی طرف سے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ ہوتا جب
تک کہ اُسے اپنے مقاصد میں کامیابی کی پوری اُمید نہ ہو جاتی۔"

"تمہارا خیال ہے کہ ابھی تک وہ ابوالقاسم کے انجام سے بے خبر
ہے اور اس لڑکے نے اسے کچھ نہیں بتایا ہوگا؟"

"جناب! مجھے یقین ہے اور میرے یقین کی متعدد وجوہات ہیں۔
پہلی یہ کہ اس کے قتل کا واحد عینی شاہد یہ لڑکا ہے اور مجھے اس کی گفتگو
سے یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ ابھی تک اس نے یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی۔ وہ
اس اطمینان کے ساتھ بے دھڑک آپ کے سامنے پیش ہو گیا تھا کہ آپ
کے سامنے سچ بولنے میں ہی اس کی بھلائی ہے۔ ورنہ اگر اس کے دل میں کوئی
شک شبہ ہوتا یا اگر وہ یہ محسوس کرتا کہ آپ کی آمد براہِ راست ابوالقاسم کے قتل
سے تعلق رکھتی ہے تو ہم اسے اتنی آسانی سے گرفتار نہ کر سکتے۔ پھر اگر مصعب
یا اُن کے گھر کا کوئی اور فرد اس کا رازدار ہوتا تو وہ اسے بچانے کی ہر ممکن
کوشش کرتے۔ کم از کم ابوالحسن کی بیوی یہ دُہائی ضرور دیتی کہ ابوالقاسم کے
قاتل اب میرے شوہر کو پکڑ کر لے جا رہے ہیں

میرے اس یقین کی دوسری وجہ یہ ہے کہ کبھی بھی لوگ اپنے خاندان
کے کسی سرکردہ آدمی کی موت کی اطلاع ملنے کے فوراً بعد گھروں میں شادیوں کا
اہتمام نہیں کرتے۔"

ڈان لوئی نے کہا "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ ابوالحسن نے اسے یہ بتا دیا ہو کہ

ہمارے آدمی ابوالقاسم کے قتل پر پردہ ڈالنے کے لیے اسے تلاش کر رہے ہیں اور اس شادی کا واحد مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر ہاتھ نہ ڈال سکیں۔"

"جناب! لوگ ایک اجنبی کی جان بچانے کے لیے اپنی بیٹی کا مستقبل خطرے میں نہیں ڈالتے۔ اگر مصعب کو اس بات کا علم ہوتا کہ ابوالحسن کو کوئی خطرہ ہے تو وہ اسے اپنے گھر کی چار دیواری کے قریب بھی نہ آنے دیتا۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو ایک اجنبی کی مصیبت اپنے سر لے لیتے ہیں۔ آپ اطمینان سے قیدی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ میں مصعب کو پُرامن رکھنے کی ذمہ داری لیتا ہوں ——— میں اسے سمجھا سکوں گا کہ حکومت کے ساتھ وفاداری کا ثبوت دینے اور ابوالحسن کو چھڑانے کی واحد صورت یہ ہے کہ اسے کچھ عرصے کے لیے خاموش رہنا پڑے گا۔"

"لیکن تم کہتے ہو کہ ابوالحسن کی بیوی تمھارے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے؟"

"اگر اسے یہاں قید رکھا جاتا یا الفجارہ کے لوگوں کے سامنے کوئی سزا دی جاتی تو میرے لیے واقعی خطرہ پیدا ہو سکتا تھا لیکن جب وہ یہ سُنیں گے کہ ابوالحسن یہاں نہیں اور وہ پُرامن رہ کر ہی اسے آپ کے قبضے سے چھڑا سکتے ہیں تو وہ اُف تک نہیں کریں گے ——— لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر واقعی مصعب اُس کی تلاش میں غرناطہ پہنچ جائے تو اسے آپ کی کسی بات سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ابوالحسن کا قصہ ختم ہو چکا ہے۔"

ڈان لوئی نے جھنجھلا کر کہا "لیکن تمھیں یہ کیسے خیال آیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں؟ یا میرا ذہن اس قدر ماؤف ہو چکا ہے کہ میں ایک کمزور آدمی کو ٹھکانے نہیں کر سکوں گا؟"

حارث نے مرعوب ہو کر کہا "جناب! مجھے معلوم نہیں کہ آپ نے قیدی

کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ میرا یہی خیال تھا کہ آپ شاید ایک ہوشیار اور نڈر دشمن کا زندہ رہنا پسند نہ کریں۔"

"کیا ہم اسے زندہ رکھ کر کوئی مفید کام نہیں لے سکتے! اگر غرناطہ کا گورنر اُسے سزا دینے پر مُصر نہ ہوا تو میں اسے اپنی ذمہ داری پر بلنسیہ بھیج دوں گا۔ وہاں مجھے اپنی زمین آباد کرنے کے لیے تندرست غلاموں کی ضرورت ہے۔"

حارث کوئی سوال کرنا چاہتا تھا کہ ڈان لوئی بولا "تمھیں بہرحال پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہاں کبھی واپس نہیں آئے گا اور اب رہا مصعب کا مسئلہ تو اس کے متعلق بھی ہمیں کوئی تشویش نہیں۔ تمھارے جیسے ہوشیار آدمی کے لیے اسے چند مہینے ٹالنا مشکل نہیں ہو گا، اور میرا خیال ہے کہ تم اسے یہ بھی سمجھا سکو گے کہ اگر وہ ابوالحسن کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے حکومت کے ساتھ کامل وفاداری کا ثبوت دینا پڑے گا۔ جو لوگ اپنے مفاد پر قوم کی آزادی قربان کر سکتے ہیں، انھیں مرتے دم تک خود فریبی میں مبتلا رکھا جا سکتا ہے اور اب تمھیں رات کے وقت پہاڑی علاقے میں ہماری راہنمائی کے لیے فوری طور پر کسی ہوشیار آدمی کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔"

حارث نے جواب دیا "جناب! اس قلعے میں ابو عامر سے زیادہ قابلِ اعتماد کوئی نہیں۔ وہ سلطان ابوعبداللہ کا ملازم بھی تھا اور اُن کے خلاف جاسوسی بھی کرتا تھا۔ وہ ہر راستے سے واقف ہے لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید مصعب شام تک اپنے گھر بیٹھ کر ابوالحسن کا انتظار کرنے کی بجائے یہاں پہنچ جائے! اس لیے اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ کے سفر کے انتظامات سے فارغ ہوتے ہی اُس کے پاس چلا جاؤں اور اسے کچھ دیر باتوں میں مصروف رکھوں۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "اگر تمھیں اس میں کوئی فائدہ نظر آتا ہے تو میں

اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد روانہ ہو جائیں گے۔"

"جناب! اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ آپ مصعب کے ساتھ ایک غیر ضروری ملاقات سے بچ جائیں گے اور اس کے علاوہ اسے مجھ پر یہ شک نہیں ہوگا کہ ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آپ کے فیصلے میں میرا بھی کوئی دخل ہے۔ میری انتہائی کوشش یہی ہوگی کہ مصعب صبح تک یہاں نہ آئے، لیکن اگر میں اسے ٹال نہ سکا اور وہ بضد ہو کر میرے ساتھ آ ہی گیا تو اسے بیوقوف بنانے کے لیے پہرے داروں کا یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ آپ نے اچانک کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور ابو الحسن کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔"

تم بہت دور کی سوچتے ہو لیکن اب وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں مصعب ہماری روانگی سے پہلے یہاں نہ پہنچ جائے۔"

دس منٹ بعد حارث گھوڑے پر سوار ہو کر مصعب کی قیام گاہ کا رخ کر رہا تھا۔

سعاد کی بے چارگی

پچھلے پہر سعاد بالائی منزل کی چھت پر کھڑی پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اُن پہاڑیوں کی طرف دیکھ رہی تھی جو دو وادیوں کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی تھیں ——— اسے دن بھر کے واقعات ایک خواب محسوس ہو رہے تھے۔ اُس کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ سے پسا جا رہا تھا تاہم مصعب اور اس کی بیوی کی توقع کے خلاف اُس نے انتہائی صبر اور حوصلے سے کام لیا تھا۔

مصعب اس کی دلجوئی کے لیے دن میں کئی بار حارث کے پاس جانے کا ارادہ ظاہر کر چکا تھا لیکن وہ ہر بار اسے یہ کہہ کر روک دیتی تھی "نہیں خالو جان! ابو الحسن نے آپ کو تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں۔ اب تو اسے صرف آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی گرفتاری کا تعلق ابو القاسم کے قتل سے ہے تو وہاں جا کر آپ کو مزید پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔"

اور پھر جب شام کے سائے مشرق کی طرف پھیلنے لگے تو اچانک مصعب اور اس کی بیوی چھت پر نمودار ہوئے۔ خالہ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے چمٹا لیا اور مصعب مغموم لہجے میں کہنے لگا "بیٹی! اب شام ہونے والی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہاں سے ہو آؤں کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ

وہ ابُوالحسن کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں "

" نہیں! " سعاد نے مضطرب ہوکر کہا " وہاں جاکر آپ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ دشمن کے نزدیک ابوالحسن کا جُرم یہی نہیں کہ اس نے ابوالقاسم کو قتل ہوتے دیکھ لیا تھا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ بڑا جُرم یہ ہے کہ اُس کے ہاتھوں چند نصرانی زخمی اور ہلاک ہوچکے ہیں اور یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ آپ اُن کے پاس جاکر ابوالحسن کی صفائی پیش کرسکیں۔ اس نے تاکید کی تھی کہ آپ اس کا پیچھا نہ کریں، آپ کو کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے مناسب حالات کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر واقعی اُس پر کوئی مصیبت آچکی ہے تو اس وقت آپ اُس کی کوئی مدد نہیں کرسکتے "

مصعب بے بسی کی حالت میں سعاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اچانک اُس کی بیوی نے پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا " وہ آرہا ہے۔"

سعاد نے پہاڑی کی طرف نظر دوڑائی۔ ایک سوار کی پہلی جھلک دیکھتے ہی اُس کی نگاہوں کے سامنے آنسوؤں کے پردے حائل ہوگئے۔ وہ پھر اپنی خالہ سے لپٹ گئی اور سسکیاں لینے لگی۔

مصعب کچھ دیر دم بخود ہوکر سوار کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ ڈوبتی آواز میں کہہ رہا تھا " خدا کرے یہ وہی ہو، لیکن ..... مجھے تو یہ حارث معلوم ہوتا ہے ——— میں نیچے جاتا ہوں "

سعاد تڑپ کر ایک طرف ہٹی اور اپنے آنسو پونچھ کر سوار کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اچانک اس کی نگاہوں کے سامنے تاریکی چھا گئی ——— اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کر فرش پر بیٹھ گئی۔ چند لمحات کے لیے اسے ایسا محسوس ہوتا رہا کہ اُس کا دم گھٹ رہا ہے اور مصعب اور اُس کی بیوی کہیں دُور سے اُسے آوازیں دے

رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ بے ہوش ہوچکی تھی۔



جب اسے ہوش آیا تو وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے کے اندر چراغ جل رہا تھا۔ عمر رسیدہ طبیب، سعیدہ اور مصعب اُس کے سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خادمہ دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ سعاد چند ثانیے نیم خوابی کی حالت میں ان کی طرف دیکھتی رہی پھر اچانک اس کا سارا وجود تڑپ اُٹھا اور اس نے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کرلیں۔

طبیب اس کا ہاتھ پکڑ کر چند ثانیے نبض ٹٹولتا رہا۔ پھر اس نے اپنے تھیلے سے ایک شیشی نکال کر تپائی پر رکھ دی اور مصعب کی طرف دیکھنے لگا:

" فکر کی کوئی بات نہیں۔ ان کی حالت بہتر ہورہی ہے۔ انشاء اللہ یہ دوا پینے کے بعد ٹھیک ہوجائیں گی "

سعاد کے بھنچے ہوئے ہونٹ لرزنے لگے اور چند دبی دبی سسکیوں کے بعد آنکھیں کھول دیں۔

سعیدہ نے جُھک کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا " بیٹی! تمھاری طبیعت کیسی ہے؟ "

وہ کچھ دیر بے بسی کی حالت میں اپنے تیمارداروں کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اچانک اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ طبیب نے تپائی سے شیشی اُٹھا کر کچھ دوا ایک پیالی میں ڈالی اور مصعب سے مخاطب ہوکر کہا " اس وقت باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔ لیجیے! اس دوا سے ان کی بے چینی بھی دُور ہوجائے گی۔"

مصعب نے پیالی لے کر سعیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا " لو بیٹی!

سعاد نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا "حارث یہاں آیا تھا؟"

"ہاں بیٹی! وہ آیا تھا ———— وہ ہمیں تسلی دینا چاہتا تھا۔ یہ دوا پی لو بیٹی! پھر جب تمھاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی تو ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

سعاد کی آنکھیں اچانک آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

سعیدہ نے کہا "بیٹی! ہمت سے کام لو!"

"خالہ جان!" اس نے بڑی مشکل سے اپنی سسکیاں ضبط کرتے ہوئے کہا "مجھے خواب آور دوا کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے غش نہیں آئے گا۔ اگر حارث کوئی خبر لے کر آیا تھا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ اگر وہ واپس نہیں چلا گیا تو خدا کے لیے اسے یہیں بُلا لیجیے!"

"بیٹی! وہ جا چکا ہے اور اب ایک پہر رات گزر چکی ہے۔"

سعاد نے مصعب کے ہاتھ سے پیالی پکڑ کر ہونٹوں سے لگائی اور دوا پی کر طبیب سے مخاطب ہوئی "آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کتنی دیر اور سوئی رہوں گی؟"

"بیٹی! تمھیں آرام کی ضرورت ہے۔"

"آرام؟" اُس نے اپنے ذہنی کرب کو ایک مغموم مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے کہا "کاش! آپ کوئی ایسی دوا دے سکتے جو مجھے عمر بھر سُلا سکتی۔"

پھر وہ تکیے پر سر رکھ کر مصعب اور اس کی بیوی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں کئی سوال تھے لیکن ان کے چہرے دیکھ کر اسے کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

مصعب نے کہا "بیٹی! حارث کہتا تھا کہ ابوالحسن کو کوئی خطرہ

نہیں۔ نصرانی افسر اسے زیادہ عرصہ اپنے پاس نہیں ٹھہرائیں گے۔ میں بذاتِ خود اُن کے پاس چلا جاتا لیکن مجھے تمھارے متعلق تشویش تھی۔ اب میں علی الصباح وہاں جاؤں گا۔ عین ممکن ہے کہ صبح ہوتے ہی ابوالحسن واپس آجائے!"

سعاد نے کہا "خالو جان! مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا ——— نصرانیوں کا قید خانہ اس کی آخری منزل نہیں ہو سکتا۔ کیا آپ نے حارث کو یہ بتا دیا تھا کہ آپ میری وجہ سے پریشان ہیں؟"

"بیٹی! اس کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ ہم کس قدر پریشان ہیں۔ میں ملاقات کے دوران دو مرتبہ تمھیں دیکھنے آیا تھا۔ اس نے میرے اضطراب کی وجہ پوچھی تو مجھے بتانا پڑا کہ تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اسے اس بات کا بہت ملال تھا کہ تمھیں شادی کے دن اپنے شوہر سے جُدا ہونا پڑا اور وہ بار بار تسلی دیتا تھا کہ ابوالحسن کا بال بیکا نہیں ہوگا۔ ڈان لوئی صرف اس کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حارث اس کی مدد کرے گا۔"

طبیب نے کہا "دیکھیے! انھیں آرام کرنے دیجیے۔ اس وقت باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔"

مصعب نے اُٹھ کر کہا "چلیے میں آپ کو مہمان خانے تک پہنچا آؤں! باقی رات آپ گھر جانے کی بجائے یہیں رہیں تو بہتر ہوگا۔"

طبیب اُٹھ کر مصعب کے ساتھ چل پڑا۔ سعاد کچھ دیر سعیدہ کی طرف دیکھتی رہی اور پھر اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

طبیب نے رُک کر سعاد سے کہا "بیٹی! میرا خیال ہے کہ تمھیں سونے سے پہلے کچھ کھا لینا چاہیے!"

"نہیں!" سعاد نے جواب دیا "مجھے بھوک نہیں۔"

"بیٹی! اگر کھانے کو جی نہیں چاہتا تو تھوڑا سا دودھ ہی پی لو۔"

"اس وقت مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

طبیب مصعب کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔

سعیدہ نے خادمہ سے کہا "اب تمھیں بھی آرام کرنا چاہیے۔"

خادمہ ساتھ والے کمرے میں چلی گئی اور سعاد کچھ دیر خاموشی سے اپنی خالہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا "خالہ جان! میں نے آپ کو بہت پریشان کیا ہوگا، لیکن اب آپ بھی آرام کریں۔"

سعیدہ نے کہا "بیٹی! جب تمھیں نیند آجائے گی تو میں چلی جاؤں گی۔ میں اس بات سے بے حد پریشان تھی کہ جب تم ہوش میں آکر ابوالحسن کے متعلق پوچھوگی تو میں تمھیں کس طرح تسلی دے سکوں گی۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں اس قدر صبر اور حوصلہ دیا ہے۔"

سعاد نے جواب دیا "میں بہت کمزور ہوں خالہ جان! اگر مجھے ابوالحسن کے متعلق کچھ پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے چہرے پر میرے ہر سوال کا جواب لکھا ہوا ہے۔ میں اس خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتی تھی کہ میں نے جو کچھ دیکھا، وہ ایک خواب تھا، اور اب میں یہ سوچتی ہوں کہ جب قوم کا سفینہ ڈوب جاتا ہے تو سمندر کی لہروں میں غوطے کھانے والے مسافر زیادہ دیر تنکوں کا سہارا نہیں لیتے۔ اگر حارث یہ خبر لے کر آیا تھا کہ اب ابوالحسن واپس نہیں آسکتا تو آپ مجھے بتا سکتی ہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں دہائی نہیں دوں گی۔"

"بیٹی! اگر حارث ہمارا دشمن ہوتا تو اسے جھوٹی تسلیاں دینے کے

لیے یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ تمھارے خالو سے اس نے کوئی غلط بیانی نہیں کی۔ انشاء اللہ ابوالحسن بہت جلد واپس آجائے گا اور تم یہ محسوس کروگی کہ تم نے ایک بھیانک خواب ہی دیکھا تھا۔"

سعاد چند ثانیے سعیدہ کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تھکی ہوئی آواز میں کہا "خالہ جان! بار بار حارث کا ذکر نہ کیجیے! میں اس سے کسی بھلائی کی امید نہیں رکھتی۔ اگر اسے ابوالحسن سے کوئی ہمدردی ہو تو بھی وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا ـــــ جب مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ سلطان کے قافلے کے ساتھ جا رہا ہے تو مجھے اس خیال سے بھی ایک راحت محسوس ہوتی تھی کہ میرے سارے خواب اسی کے متعلق ہوا کریں گے، لیکن اب مجھے مستقبل کے سپنوں کے تصور سے خوف محسوس ہوتا ہے ـــــ خالہ جان! میرے لیے یہ دعا کیجیے کہ صبح کی روشنی میں جب میری آنکھ کھلے تو مجھے رات کے بھیانک سپنے یاد نہ آئیں!"

اس نے کروٹ بدل کر آنکھیں بند کرلیں اور کچھ دیر آہستہ آہستہ سسکیاں لینے کے بعد سوگئی۔



اگلے روز طلوع آفتاب کے دو گھنٹے بعد مصعب، حارث سے ملاقات کے بعد گھر واپس آتے ہی سعاد کے کمرے میں داخل ہوا، مگر وہ اپنے بستر پر نہیں تھی۔ اس نے اپنی بیوی کا کمرہ دیکھا تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔

"سعیدہ! سعیدہ!!" وہ اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑنے لگا۔

"آپ آگئے!" سعیدہ نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں! میں آگیا ہوں لیکن سعاد کہاں ہے؟"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں ہے؟"

"نہیں!"

خادمہ نے دروازہ جھانکتے ہوئے کہا۔ "جناب! وہ چھت پر چلی گئی ہیں، اب وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔ میں نے انھیں ناشتا کھلا دیا تھا۔"

سعیدہ نے برہم ہو کر کہا "تم نے مجھے کیوں نہ جگایا؟"

"میں آپ کو جگانا چاہتی تھی، مگر انھوں نے منع کر دیا تھا۔ وہ کہتی تھیں کہ خالہ جان کو آرام کی ضرورت ہے اور میں تھوڑی دیر تازہ ہوا میں سانس لینا چاہتی ہوں۔ آپ کے لیے ناشتا لے آؤں؟"

"ہاں! لے آؤ!"

خادمہ کے جانے کے بعد سعیدہ چند ثانیے خاموشی سے مصعب کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اُس نے کہا "میرا خیال تھا آپ ابوالحسن کو لے کر آئیں گے!"

مصعب نے نڈھال ہو کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "سعیدہ! کاش ابوالحسن کو واپس لانا میرے بس میں ہوتا۔ نصرانی اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ رات جب حارث واپس پہنچا تھا تو وہ جا چکے تھے۔ شاید انھیں یہ خطرہ تھا کہ حارث اس کی طرفداری کرے گا۔ وہ اُس کے لیے یہ پیغام چھوڑ گئے ہیں کہ ہمیں گورنر کی طرف سے فوراً واپسی کا حکم ملا ہے اور اپنی تحقیقات مکمل کرنے کے لیے ابوالحسن کو ساتھ لے جا رہے ہیں ____ حارث اب بھی مجھے بار بار یہی تسلی دیتا تھا کہ انشاء اللہ ابوالحسن کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ نصرانی الفجارہ میں بے چینی پھیلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے، لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں سارا راستہ

یہ سوچتا آیا ہوں کہ میں سعاد کو کیا جواب دوں گا۔ مجھے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اتنی جلدی سنبھل جائے گی۔ طبیب کہتا تھا کہ اگر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا تو اس کی صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔"

سعاد دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی اور مصعب اور اس کی بیوی پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ "خالو جان!" اس نے چند ثانیے توقف کے بعد کہا "میں نے خواب سے بیدار ہوتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ مجھے ابوالحسن کا انتظار کرنے کے لیے زندہ رہنا چاہیے ____ اگر وہ ہمارے لیے جان دے چکا ہے تو میں اس کے خونِ ناحق کا انتقام لینے کے لیے زندہ رہوں گی اور اُس دن کا انتظار کروں گی جب میرے کمزور ہاتھ دشمن کی شاہ رگ تک پہنچ سکیں گے۔"

مصعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی! حارث نے ابوالحسن کی اعانت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر وہ اسے واپس نہ لا سکا تو میں بذاتِ خود غرناطہ جاؤں گا۔ میں آج ہی چلا جاتا، لیکن حارث کہتا تھا کہ مجھے چند دن انتظار کرنا چاہیے۔"

"آپ غرناطہ جا کر اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔" سعاد بولی "اگر حارث کو ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی ہوتی تو وہ ابوالحسن کی گرفتاری کے لیے مسلح آدمی لے کر ہمارے گھر نہ آتا۔ وہ دوسری مرتبہ آپ کے پاس صرف ٹوہ لینے آیا تھا کہ ابوالحسن کی گرفتاری سے الفجارہ میں کیسے مسائل پیدا ہوں گے۔ غدار بدلتے ہوئے حالات میں اپنے لبادے تبدیل کر سکتے ہیں لیکن ان کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی ____ خالو جان! میرا مطلب یہ نہیں کہ آپ فوراً حارث سے اُلجھ پڑیں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ موجودہ حالات میں اس کی کھلی دشمنی آپ کے لیے کتنے خطرات پیدا کر سکتی ہے۔"

"بیٹی! میں ابوالحسن کو قید سے چھڑانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہوں۔"

"خالو جان! یہاں سے رخصت ہوتے وقت ابوالحسن کو دشمن کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ نصرانی افسر نے اسے کیوں بلایا ہے اس کے الوداعی الفاظ میرے دل پر نقش ہیں۔ اس وقت مجھے اس کی گفتگو عجیب معلوم ہوتی تھی لیکن اب میں سمجھ سکتی ہوں کہ وہ کون سا جذبہ تھا جس نے اس کو اپنی زندگی اور موت سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اب بھی میں کسی زمین دوز اذیت خانے سے اس کی رُوح کی چیخیں سُن سکتی ہوں۔ خالو جان! وہ یہ کہہ رہا ہے "سعاد! میری وجہ سے اس گھر پر مصیبت نہیں آنی چاہیے۔ اپنی خالہ اور خالو سے کہو کہ وہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور میرے مصائب میں حصے دار بننے کی کوشش نہ کریں۔ میں اپنے حصے کا بوجھ خود اُٹھا سکتا ہوں۔ میں اس امید پر زندہ رہوں گا کہ کسی دن میری قوم اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ کسی دن البشارہ کے مجاہد میرے قید خانے کا دروازہ توڑ ڈالیں گے کسی دن میرے ترک اور بربر بھائی طارقؓ کی روایات کے امین بن کر آئیں گے اور مجھے یہ پیغام دیں گے کہ تم آزاد ہو ——— ! غرناطہ میں تمھارا گھر اُجڑ چکا ہے لیکن البشارہ میں تمھاری راہ دیکھنے والے موجود ہیں۔"

مصعب کچھ دیر سر پکڑ کر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سعاد کا کندھا تھپکتے ہوئے کہا "بیٹھ جاؤ بیٹی! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

سعاد اس کے سامنے دوسری کُرسی پر بیٹھ گئی۔

"سعاد!" مصعب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "بیٹی! ہم کتنے بے بس ہیں۔ میں اپنے دل کو یہ فریب دیا کرتا تھا کہ نصرانی صلح کے معاہدے

کی پابندی کریں گے، لیکن حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آقاؤں اور غلاموں کے درمیان کوئی معاہدہ پائیدار نہیں ہوتا۔ ہماری بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ ابوالقاسم قتل ہو چکے ہیں۔ تمھارا شوہر گرفتار ہو چکا ہے اور ہمیں کسی کے سامنے قاتلوں کا نام لیتے ہوئے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ ہماری زندگی کا ہر نیا دن پچھلے دن سے زیادہ صبر آزما ہو گا۔ اس کے باوجود میں اس امید پر زندہ رہنا چاہتا ہوں کہ اللہ کی بارگاہ میں تمھاری دُعائیں رائگاں نہیں جائیں گی ——— یہ رات گزر جائے گی۔ ابوالحسن اچانک تمھارے دروازے پر دستک دے گا اور تم اسے دیکھ کر یہ محسوس کرو گی کہ ہفتوں، مہینوں یا برسوں کی تاریک رات صرف ایک خواب تھی ——— لیکن ہو سکتا ہے کہ میں اس وقت کا انتظار نہ کر سکوں ——— اس لیے میں یہ نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ جب ابوالحسن واپس آ جائے تو تمھیں ایک دن کے لیے بھی یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ اُس غلطی کا اعادہ نہیں کرنا چاہیے جو مجھ سے سرزد ہوئی تھی ——— افریقہ پہنچ کر تم یہ محسوس کرو گی کہ وہاں تمھارے لیے ایک معمولی جھونپڑا بھی اس قلعے کی نسبت زیادہ آرام دہ ہے۔ تمھیں یہاں رہ کر اس آندھی کا انتظار نہیں کرنا چاہیے جس کے آثار دیکھ کر ہم نے غرناطہ سے ہجرت کی تھی ——— ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، لیکن تمھیں ہمارے گناہوں کی سزا نہیں ملنی چاہیے۔"

سعاد بظاہر بڑے انہماک سے گفتگو سُن رہی تھی لیکن اس کے خیالات کہیں دُور جا چکے تھے ——— وہ تصور میں الحمرا کا طواف کر رہی تھی ——— ابوالحسن کے قید خانے کے دروازے توڑ رہی تھی ——— اس کی رفاقت میں جہاز پر سوار ہو رہی تھی اور ساحلِ بربر سے آگے لق و دق صحراؤں اور نخلستانوں

کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

"بیٹی!" مصعب نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا "میری آخری غلطی یہ تھی کہ چند دن قبل تک تمھارے مستقبل کے متعلق میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں نے ابوالقاسم کی موت کی خبر سُننے سے قبل دشمن کے آئندہ عزائم کے متعلق کبھی نہ سوچا، لیکن اب اگر اللہ کی بارگاہ میں تمھاری دُعائیں مستجاب ہوں اور ابوالحسن واپس آجائے تو مجھ سے وعدہ کرو کہ سمندر عبور کرنے سے پہلے اطمینان کا سانس نہیں لوگی۔"

"خالو جان! آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، لیکن میں بھی آپ سے یہ وعدہ لینا چاہتی ہوں کہ اس کی آمد سے قبل آپ مجھے یہ گھر چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیں گے ___ میں آخر دم تک اس کا انتظار کروں گی۔ میں ہر صُبح اس کے لیے یہ دعا کروں گی کہ وہ شام سے پہلے یہاں پہنچ جائے اور سرِ شام قلعے کی ڈیوڑھی کے بُرج میں اس کے لیے چراغ جلایا کروں گی تاکہ رات کی تاریکی میں اپنی منزل دیکھ سکے ___ پھر جب میری امیدوں کے چراغ بُجھ جائیں گے تو میں زندہ رہنا پسند نہیں کروں گی۔ اگر بیچارگی کی موت ہی میرا مقدر ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کس جگہ دفن کیا جاتا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔"

اسیر

ابوالحسن حراست کے تیسرے روز رات کے وقت مسلح سواروں کے تنگ گھیرے میں غرناطہ کے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر پہرے داروں کو آواز دی۔ انھوں نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور شہر کا کوتوال اور دروازے کے محافظ دستے کا افسر جنھیں دو گھنٹے قبل ڈان لوئی اور اس کے ساتھیوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی، ڈیوڑھی سے باہر نکل آئے۔ ڈان لوئی نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کوتوال سے مخاطب ہو کر کہا "آپ قیدی کو قید خانے میں لے جائیں اور داروغہ کو میری طرف سے تاکید کریں کہ اسے دوسرے قیدیوں بالخصوص غرناطہ کے مسلمان قیدیوں سے بالکل علیحدہ رکھا جائے۔ ممکن ہے کہ اسے کوئی ایسی بات معلوم ہو جس کا انکشاف حکومت کے لیے پریشانی کا باعث ہو۔ گورنر سے میری ملاقات کے بعد اس کے متعلق کوئی فیصلہ ہوگا۔ ممکن ہے وہ اسے غرناطہ سے کہیں دُور بھیجنے کا فیصلہ کریں، تاہم پہرے داروں کو اِس کے متعلق بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

اگر ابُوالحسن ڈان لوئی کی یہ گفتگو نہ سُنتا تو بھی اُسے اپنے مستقبل کے متعلق

کوئی خوش فہمی نہ ہوتی۔ گرفتار ہونے سے اب تک اُس کے سامنے ایک ہی مسئلہ تھا کہ ——— جنھیں بچانے کے لیے وہ ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار ہے، وہ کس حد تک محفوظ ہیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ قید خانے کی ایک تاریک کوٹھڑی میں پڑا اپنے حال اور مستقبل کے متعلق سوچ رہا تھا۔ دیر تک بے چینی کی حالت میں کروٹیں لینے کے بعد اس کے دل میں قید سے فرار کا خیال آیا اور وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ غرناطہ میرا گھر ہے۔ یہاں اب بھی ہزاروں لوگ موجود ہیں جو مجھے پناہ دے سکتے ہیں۔ اگر میں قید خانے سے نکل کر چند دن کسی جگہ چھپ کر رہ سکوں تو ممکن ہے کہ کسی دن الفجارہ پہنچنے کا موقع مل جائے ——— لیکن پھر اچانک ایک اور خیال آیا اور اس کے دل کی دھڑکنیں رُک گئیں "نہیں! نہیں!! سعاد!" وہ اپنے دل سے کہہ رہا تھا "الفجارہ میں تمھارے گھر کی سلامتی کے لیے میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔ میرے فرار ہوتے ہی نصرانی تمھارے گھر کے ہر راستے پر پہرا بٹھا دیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ تمھارے گھر کی تلاشی لے چکے ہوں اور میری طرح تم سب کو کسی قید خانے میں پہنچا دیا گیا ہو۔ نہیں سعاد! میں تمھیں اپنے مصائب میں حصہ دار نہیں بناؤں گا ——— مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا، اور اگر میرا مقدر یہی ہے کہ نصرانیوں کے قید خانوں میں گمنامی کی موت مر جاؤں، تو بھی میں تمھارے سر کا ایک ایک بال اپنی زندگی سے زیادہ قیمتی سمجھوں گا" ——— وہ دوبارہ لیٹ گیا اور کچھ دیر آہستہ آہستہ سعاد کا نام دہرانے کے بعد اسے نیند آ گئی۔

پانچ دن اور گزر گئے ——— پھر ایک صبح کوٹھڑی کا دروازہ کھلا اور پہرے داروں کے ساتھ دو آہن گر داخل ہوئے اور انھوں نے ابوالحسن

کو فرش پر لٹا کر اس کے گلے میں آہنی طوق اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ ڈان لوئی اور داروغہ کے سامنے ایک کشادہ کمرے میں کھڑا تھا۔

داروغہ نے کہا "ہم نے ڈان لوئی کے حکم پر تم سے یہ رعایت کی ہے کہ تمھارا ماتھا نہیں داغا۔ وہ اپنے غلاموں کی شکل مسخ کرنا پسند نہیں کرتے۔ ان کا تم پر یہ احسان بھی ہے کہ تم موت کی سزا سے بچ گئے ہو۔ ورنہ آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی مسلمان نے ہمارے سپاہیوں کو قتل کیا ہو اور اس کو کسی چوراہے پر پھانسی نہ دی گئی ہو"

ڈان لوئی نے کہا "مجھے تمھاری جوانی پر رحم آ گیا تھا اور میں نے بڑی مشکل سے گورنر کو قائل کیا ہے کہ تم نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے تلوار اٹھائی تھی ——— انھوں نے تمھیں میرے سپرد کر دیا ہے اور میں تمھاری طرف سے اس بات کا پورا اطمینان چاہتا ہوں کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے ———"

ابوالحسن نے جواب دیا "میرے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں آہنی طوق دیکھ کر آپ کو یہ اطمینان ہو جانا چاہیے کہ میں بھاگنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔"

ڈان لوئی بولا "یہ احتیاط اس لیے کی گئی ہے کہ غرناطہ سے باہر تر و تازہ ہوا میں سانس لینے کے بعد اچانک تمھاری نیت نہ بدل جائے۔ میں یہاں سے چند اور قیدیوں کے ساتھ تمھیں اپنی جاگیر میں کام کرنے کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کل میری جاگیر کا منتظم یہاں پہنچ جائے گا اور اگلے دن تمھیں اس کے ساتھ روانہ کر دیا جائے گا ——— اگر تم اچھا کام کرو گے تو تم پر کوئی سختی نہیں

ہوگی اور جب ہمیں اطمینان ہو جائے گا کہ تم بھاگنے کی کوشش نہیں کرو گے تو تمھارا طوق اور بیڑیاں بھی اُتار دی جائیں گی ——— پھر پانچ سال بعد تمھاری کارگزاری کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر تم نے میری خواہشات کے مطابق کام کیا تو میں تمھیں آزاد کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

تھوڑی دیر کے لیے وہ رُکا ——— اس نے ابوالحسن کے چہرے کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر کہنے لگا "مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ تم شادی کے دن اپنی بیوی سے جدا ہوئے لیکن جب حالات سازگار ہوں گے تو میں یہ کوشش کروں گا کہ اسے بھی تمھارے پاس بلا لیا جائے لیکن فی الحال اسے زیادہ سے زیادہ یہ اطلاع دی جا سکتی ہے کہ تم زندہ ہو اور اس سے دوبارہ ملنے کی امید پر زندہ رہنا چاہتے ہو۔"

ابوالحسن نے اچانک محسوس کیا کہ اس کے سینے پر آگ کے انگارے رکھ دیے گئے ہیں۔ تاہم اس نے اپنا غم و غصہ ضبط کرتے ہوئے جواب دیا: "میں آپ کا شکرگزار ہوں، مگر جس خاتون کے ساتھ میری شادی ہوئی تھی، وہ شاید ایک غلام کی بیوی کہلانا پسند نہ کرے۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "وقت کے ساتھ ساتھ انسانوں کے خیالات بھی بدل جاتے ہیں، اب تمھارے ماضی کے پرانے خوابوں کا اندلس ختم ہو چکا ہے اور ہم اس کے کھنڈروں پر اپنے مستقبل کا ہسپانیہ تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ چند سال بعد جب تم اپنے گرد و پیش کا جائزہ لو گے تو تم یہ محسوس بھی نہیں کرو گے کہ اُندلس کے ماضی کے ساتھ تمھارا کوئی رشتہ بھی تھا اور یہی بات میں اس لڑکی کے متعلق بھی کہہ سکتا ہوں جو اپنا مستقبل تمھارے ساتھ وابستہ کر چکی ہے۔"

ابوالحسن کچھ دیر خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔ بالآخر قید خانے کے داروغہ نے کہا "نوجوان! تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ ڈان لوئی نے تمھاری جان بچائی ہے؟"

ابوالحسن کی خاموشی پر ڈان لوئی نے کہا "اسے یہ سمجھنے میں ابھی کافی دن لگیں گے کہ میں اس کا دشمن نہیں ہوں۔ اب یہ دو یا تین دن آپ کے پاس رہے گا اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ذاتی طور پر اس کے آرام کا خیال رکھیں۔"

○

ابو عامر کمرے میں داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا "جناب! میرے لیے کیا حکم ہے؟ ——— میں قیدی کو یہاں پہنچاتے ہی واپس جانا چاہتا تھا، لیکن آپ سے اجازت نہیں ملی تھی۔"

ڈان لوئی نے جواب دیا "میں چاہتا ہوں کہ تمھیں بھی بلنسیہ لے چلوں اور اگر تمھیں میرا علاقہ پسند آجائے تو تم وہیں آباد ہو جاؤ۔ مجھے گھریلو کام کاج اور غلاموں کی دیکھ بھال کے لیے اچھے نوکروں اور ہوشیار جاسوسوں کی ضرورت ہے ———"

"لیکن جناب!" ابو عامر نے مضطرب ہو کر کہا "میری بیوی بچے ہیں اور میں ان سے مِل کر بھی نہیں آیا۔ میرے آقا نے اچانک یہ حکم دیا تھا کہ میں غرناطہ تک آپ کی رفاقت میں سفر کرنے پر تیار ہو جاؤں۔"

"حارث کو یہ اطلاع مل جائے گی کہ میں نے تمھیں روک لیا ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ کچھ عرصہ تم میرے پاس رہو اور جب تمھیں یہ اطمینان ہو جائے کہ میں کام کے آدمیوں کو تمھارے آقا کی نسبت زیادہ صلہ دے

سکتا ہوں تو واپس جاکر اپنے بیوی بچوں کو لے آنا اور میری جاگیر میں آباد ہو جانا ـــــــ ہو سکتا ہے کہ کسی دن تم میرے غلاموں کے نگہبان بن کر نئی دنیا جاؤ اور وہاں میری جاگیر آباد کرو اور چند سال میں ایک دولت مند آدمی بن کر واپس آؤ۔ ہو سکتا ہے کہ نئے ملک کو تم ہسپانیہ سے زیادہ پسند کرو۔ وہاں کسی گورنر یا جاگیردار کے کارندے کو زمین کا مالک بنتے دیر نہیں لگتی ـــــــ "

ابوعامر نے کہا "جناب! میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ میں بلنسیہ تک ابوالحسن کے ساتھ چلوں گا۔ لیکن اس بات کا فیصلہ میں اپنے گھر واپس جاکر ہی کر سکتا ہوں کہ ہمیں کہاں آباد ہونا چاہیے۔"

"بہت اچھا، میں دو ماہ تک وہاں پہنچوں گا اور تمھیں معقول معاوضہ دے کر رخصت کیا جائے گا۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ تمھیں واپسی پر کوئی جہاز مل جائے اور تم مالقہ تک آرام سے سفر کرو۔ میں نے برنیڈو کو یہ حکم دے دیا ہے کہ تمھیں کوئی تکلیف نہ ہو ـــــــ میں نے سنا تھا کہ تم ایک باورچی بھی ہو ـــــــ میری بیوی کو جنوب کے کھانے بہت پسند ہیں۔ اگر تم ایک اچھے باورچی ثابت ہوئے تو تمھیں زیادہ معاوضہ ملے گا۔ فرصت کے اوقات میں تم میرے غلاموں سے میل جول رکھو گے اور اگر تمھیں یہ معلوم ہو کہ کوئی غلام بھاگنا چاہتا ہے تو برنیڈو کو خبردار کر دو گے ـــــــ اور دیکھو اگر بلنسیہ میں قیام کے دوران تم نے ابوالحسن کو ہمارا پُرامن غلام رہنے پر رضامند کر لیا تو یہ بھی ایک خدمت ہوگی۔ تمھیں اس سے بلا روک ٹوک ملنے کی اجازت ہوگی۔ میں نے اسے دیکھتے ہی یہ محسوس کیا تھا کہ نئی دنیا میں میرے لیے وہ ایک کارآمد آدمی بن سکتا ہے۔"

"جناب! میں دل و جان سے آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

ابوعامر کمرے سے باہر نکل گیا تو ڈان لوئی قید خانے کے داروغہ سے مخاطب ہوا "میرا تجربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف عیسائی جاسوسوں کی بجائے اُن کے اپنے غداروں سے بہتر کام لیا جا سکتا ہے۔ یہ آدمی البغارہ میں ابوعبداللہ کا ملازم، اور ہمارا جاسوس تھا۔ ابوعبداللہ افریقہ چلا گیا تو اس کی جاسوسی کا دائرہ پہلے کی نسبت وسیع ہو گیا۔ ابوالحسن کی گرفتاری اسی کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے تو یہ مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے رکھنے کے لیے بہت کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ کچھ عرصہ ہمارے پاس رہنے کے بعد یہ حکومت کا زیادہ وفادار بن کر جائے گا۔"



اور تیسرے دن آٹھ قیدی اور ان کے پانچ محافظ ڈان لوئی کی جاگیر کے منتظم برنیڈو کی رہنمائی میں بلنسیہ کا رُخ کر رہے تھے۔

برنیڈو اور ابوعامر گھوڑوں پر سوار تھے اور انھیں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرتا دیکھ کر نصرانی سپاہیوں کو اس بات سے سخت تکلیف محسوس ہوتی تھی کہ ایک مسلمان سے ایک معزز مہمان کا سا سلوک کیا جا رہا ہے۔

ابوالحسن کبھی کبھی اس کی طرف دیکھتا اور حقارت سے مُنہ دوسری طرف پھیر لیتا ـــــــ

قیدیوں کے محافظوں میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں بھاری کوڑا تھا اور اسے کسی قیدی پر زور آزمائی کے لیے صرف کسی بہانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

ابوالحسن سے جدائی کے بعد سعاد کی زندگی کی اُداس گھڑیاں دنوں اور مہینوں میں تبدیل ہورہی تھیں اور ابُوالحسن کی تصویر جو ابتدائی ایام میں ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہا کرتی تھی، بتدریج وقت کے دھندلکوں میں گم ہورہی تھی تاہم وہ زندہ تھی اور زندہ رہنا چاہتی تھی۔

حارث کے متعلق اس کے شبہات یقین کی حد تک پہنچ چکے تھے لیکن وہ مصعب کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کی بجائے اس بات پر زور دیا کرتی تھی کہ فی الحال آپ کو حارث کے ساتھ رسمی تعلقات قائم رکھنے چاہییں اور کسی بات سے اسے یہ تاثر دینے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ آپ کو اس کی ریا کا عِلم ہے۔ حارث ہر دوسرے تیسرے روز اُن کے ہاں آتا اور انھیں ابوالحسن اور ابوالقاسم کے متعلق تسلّی دینے کی کوشش کرتا اور اگر وہ چند دن نہ آتا تو سعاد کے اصرار پر مصعب بذاتِ خُود حارث کے پاس چلا جاتا۔

مصعب کے دوستانہ طرزِ عمل سے حارث کو یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ ابوالحسن کی گرفتاری پر اس کے متعلق جو شکوک پیدا ہوئے تھے، وہ دُور ہو چکے ہیں، لیکن کبھی کبھی ابوالقاسم کے بارے میں اس کی خاموشی اسے پریشان کر دیتی تھی چنانچہ وہ اس قسم کے سوالات پوچھا کرتا تھا "مصعب! تمھیں ابوالقاسم کے متعلق کوئی اِطلاع نہیں ملی؟ وہ کب تشریف لائیں گے؟" اور مصعب اسے ٹالنے کی کوشش کرتا "مجھے انھوں نے اپنی خیریت کے متعلق بھی اطلاع نہیں دی۔ اگر وہ غرناطہ میں ہوتے تو ہماری خبر ضرور لیتے۔

میرے خیال میں انھیں کسی ضروری کام کے لیے طلیطلہ بُلا لیا گیا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اہم مہم پر ملک سے باہر بھیج دیے گئے ہوں۔"

"ہاں بھائی! وہ بڑے آدمی ہیں اور غرناطہ کے گورنر کو بھی ان کی مصروفیت کا علم نہیں ہوسکتا لیکن میں اکثر یہ سوچتا ہوں کہ اس علاقے کے لوگ اُن کی طویل غیر حاضری کے متعلق کیا سوچتے ہوں گے ——— میرے خیال میں اتنے بڑے آدمی کا اچانک لاپتہ ہوجانا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ خدا کرے میرا یہ خدشہ غلط ثابت ہو ——— لیکن کبھی کبھی مجھے یہ ڈر محسوس ہوتا ہے کہ ابوالقاسم کو کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو؟"

"یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اسے کوئی حادثہ پیش آئے اور حکومت کو خبر نہ ہو؟"

"بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ حکومت انھیں ظاہر کرنا پسند نہیں کرتی۔ فرض کرو کہ وہ غرناطہ اور الفجارہ کے درمیان باغیوں کی کسی جماعت کے ہتھے چڑھ گیا ہو اور کسی سرپھرے نے اسے قتل کر دیا ہو"

مصعب اچانک یہ محسوس کرتا کہ وہ اس کے لیے پھندا تیار کر رہا ہے اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتا "خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حکومت کے باغی ابوالقاسم کو قتل کر دیں اور حکومت کی فوج اور پولیس حرکت میں نہ آئے۔ الفجارہ کے لوگ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر کِسی باغی نے ابوالقاسم پر حملہ کیا تو انھیں کس تباہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

حارث اور مصعب کے درمیان اس قسم کی گفتگو کئی بار ہو چکی تھی۔ حارث جب بھی اسے کُریدنے کے لیے ابوالقاسم کا ذکر چھیڑتا تو اس کا مدافعانہ شعور جاگ اُٹھتا۔ چنانچہ حارث کا یہ یقین پختہ ہو چکا تھا کہ وہ ابوالقاسم

کے انجام سے بے خبر ہے۔"

○

ابوالحسن کی گرفتاری کے چھ ماہ بعد مصعب دوسری مرتبہ حمہ گیا تھا اور چند ہفتے قیام کے بعد واپس آتے ہی اس نے حارث کو بتایا کہ مجھے ابوالحسن کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ میں یہ بھی معلوم نہیں کر سکا کہ ڈان لوئی کہاں ہے۔ میں نے بڑی مُشکل سے گورنر تک رسائی حاصل کی تھی لیکن وہ یہ کہتا تھا کہ ڈان لوئی پولیس کے ایک اہم عہدے پر فائز ہو چکا ہے اور طلیطلہ میں بادشاہ اور ملکہ کے علاوہ حکومت کے چند بڑے عہدے داروں کے سوا کسی کو اس کی خفیہ سرگرمیوں کا علم نہیں تاہم جب وہ دورے پر غرناطہ آئے گا تو میں ابوالحسن کے متعلق اس سے پُوچھنے کی کوشش کروں گا۔ ابوالقاسم نے بھی ابھی تک اپنی بیوی کو کوئی اطلاع نہیں دی اور غرناطہ کا گورنر اس کے متعلق بھی یہی کہتا ہے کہ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے۔ میں ابوالقاسم کی بیوی کے اصرار پر طلیطلہ بھی گیا تھا لیکن بادشاہ اور ملکہ نے ملاقات کے لیے میری درخواست قبول نہیں کی۔"

حارث نے پوچھا "تم نے اپنی درخواست میں یہ لکھا تھا کہ تم ابوالقاسم کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں! اور مجھے یہ جواب ملا تھا کہ تمھیں ابوالقاسم کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ کسی خفیہ مہم پر گیا ہوا ہے اور اپنا کام ختم کرتے ہی گھر پہنچ جائے گا۔"

حارث نے مطمئن ہو کر کہا "اب کم از کم اُس کے متعلق تو تمھارے

خدشات دور ہو جانے چاہییں۔"

"مجھے اُن کے متعلق کوئی خدشہ نہیں۔ میں صرف ان کی بیوی کی دلجوئی کے لیے وہاں گیا تھا، لیکن اب حالت یہ ہے کہ الفجارہ کے لوگ بھی اس کے متعلق طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں۔"

"کیسی باتیں؟"

"یہی کہ وہ کہاں ہے اور اُس نے اپنے متعلق کوئی اطلاع کیوں نہیں بھیجی؟ الفجارہ کے لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ غرناطہ میں بھی نہیں ہے۔"

"تم ان سے کہہ سکتے ہو کہ فی الحال یہ ایک راز ہے لیکن جب وقت آئے گا تو تمھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ لوگ تمھیں ابوالحسن کے متعلق تو پریشان نہیں کرتے؟"

مصعب نے جواب دیا "ابوالحسن کے متعلق آپ سعاد اور اس کی خالہ کے اضطراب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ سے میں نے اس کے متعلق اس لیے کبھی نہیں پوچھا کہ اگر کوئی اچھی خبر ہوتی تو آپ ہمیں بتا دیتے لیکن ہماری طرح آپ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے کہ وہ کسی قید خانے میں ہے اور اس کی رہائی یا موت ڈان لوئی کے ہاتھ میں ہے۔"

حارث نے کہا "میں آپ کو پہلے بھی کئی بار یہ بتا چکا ہوں کہ ڈان لوئی اس کے ساتھ کوئی بُرا سلوک نہیں کرے گا، لیکن اس کی رہائی کا انحصار اس بات پر ہو گا کہ حکومت اسے کس حد تک بے گناہ سمجھتی ہے۔"

"آپ غرناطہ کے ہر قید خانے تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں اور ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ابوالحسن کس حال میں ہے۔"

حارث نے جواب دیا "آپ غرناطہ سے ہو آئے ہیں اور آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں۔ میرا خیال ہے کہ گورنر نے اسے خطرناک سمجھ کر قید خانے میں رکھنے کی بجائے، غرناطہ سے باہر کسی قلعے میں بھیج دیا ہے اور ممکن ہے کہ ڈان لوئی کو بھی یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے؟ بہرصورت میں اپنے آپ کو کسی خطرے میں ڈالے بغیر اس کی تلاش جاری رکھوں گا۔"



ابو عامر کی بیوی دھوپ میں اونی دری پر بیٹھی ریشمی کپڑا کاڑھ رہی تھی۔ اس کا دو سالہ بچہ اس کے قریب لیٹا ہوا تھا۔ اس کا نام عمارہ تھا اور اس کا سرخ و سپید چہرہ کوہستان کے جفاکش باشندوں کی تندرستی اور توانائی کا آئینہ دار تھا۔

اچانک گاؤں کی ایک لڑکی عمارہ کے دوسرے لڑکے کو اٹھائے صحن میں داخل ہوئی اور اس نے کہا "ایک عورت آپ سے ملنے آئی ہے۔ خالہ! وہ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے پہلے اسے اس گاؤں میں نہیں دیکھا۔ وہ کسی بڑے گھر کی معلوم ہوتی ہے۔"

عمارہ نے کہا "بیٹی! وہ مونڈھا اٹھا کر یہاں رکھ دو!"

لڑکی بچے کو نیچے اتار کر مونڈھا اٹھا لائی۔

باہر سے کسی نے نیم وا دروازے سے دستک دیتے ہوئے کہا:

"بہن عمارہ مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟"

عمارہ اٹھ کر ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھی اور اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی اور اسے مونڈھے پر بٹھانے کے بعد اس کے قدموں میں چٹائی پر بیٹھ گئی۔

نووارد نے کہا "میں آپ سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں!"

عمارہ نے گاؤں کی لڑکی کی طرف دیکھا تو وہ صحن سے باہر نکل گئی۔ اس نے اٹھ کر دروازے کو کنڈی لگا دی اور واپس آ کر مہمان کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی "اب ہم اطمینان سے باتیں کر سکتی ہیں۔ آپ کہاں سے آئی ہیں؟"

نووارد نے اپنے چہرے سے اوڑھنی ذرا اوپر کرتے ہوئے کہا "میرا نام سعاد ہے۔ مصعب میرے خالو ہیں۔ میں اس لیے تمہارے پاس آئی ہوں کہ ابو عامر میرے شوہر کا دوست تھا ــــ شاید اس نے آپ سے کبھی ابو الحسن کا ذکر کیا ہو؟"

"مجھ سے اس نے کبھی اس نام کے کسی دوست کا ذکر نہیں کیا۔ ویسے بھی وہ مجھ سے اپنے کسی دوست یا دشمن کا ذکر نہیں کرتا۔"

سعاد نے قدرے توقف کے بعد کہا "میرا شوہر ہماری شادی کے دن غائب ہو گیا تھا۔ حارث اسے گرفتار کر کے قلعے میں لے گیا تھا اور وہاں سے اسے ایک نصرانی حاکم نے کہیں اور بھیج دیا تھا۔ میں نے ایک نوکر کو ابو عامر کا پتا لگانے بھیجا تھا۔ لیکن وہ یہ اطلاع لایا کہ وہ بھی لاپتا ہے۔ میں اپنے نوکر کو ہر ہفتے ایک یا دو بار ابو عامر کا پتا لگانے بھیجا کرتی تھی۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ واپس آ گیا ہے اور میں آپ کے پاس آئی ہوں کہ شاید اس نے آپ کو ابو الحسن کے متعلق کچھ بتایا ہو!"

عمارہ کچھ دیر غور سے سعاد کی طرف دیکھتی رہی، پھر اس نے کہا "دیکھیے آپ کا میرے گھر آنا کوئی معمولی بات نہیں۔ میں اپنے خاوند سے پوچھوں گی لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ اگر کوئی راز کی بات ہوئی تو وہ مجھے نہیں بتائے گا۔ اس معاملے میں وہ بہت سخت ہے ــــ وہ میری ہر خواہش پوری کرتا ہے

لیکن مجھے یہ تک بتا کر نہیں گیا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اور کب آئے گا۔ اب وہ میرے لیے کئی تحائف لایا ہے۔ وہ ان بچوں کے لیے بھی ریشم کے کپڑے لے کر آیا ہے لیکن اس بات کا اس نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا کہ چھ سات مہینے کس کس شہر کی خاک چھانتا رہا ہے ـــــ لیکن آپ کا مسئلہ ایسا ہے کہ میں اسے ہر ممکن طریقے سے معلوم کروں گی ـــــ اور یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر اسے آپ کے شوہر کے متعلق کسی بات کا علم ہوا تو آپ کو اطلاع مل جائے گی۔"

"اگر تم اجازت دو تو میرا نوکر تمہارے پاس آئے گا، لیکن گاؤں کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ابوالحسن کے متعلق پریشان ہیں۔"

عمارہ نے کہا "گاؤں کے لوگوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے ؟"

سعاد نے کہا "اگر تمہارا شوہر بھی یہ محسوس کرے کہ ابوالحسن کی جائے قیام یا قید خانے کے متعلق بتانے میں اسے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے تو میں بھی تم سے اصرار نہیں کروں گی ـــــ میں ..... میں صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ وہ زندہ ہے یا ......" اس کی آواز بیٹھ گئی اور آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔

عمارہ بھی آبدیدہ ہو گئی اور بولی "میری بہن! مجھے یقین ہے کہ میں یہ بات اس سے معلوم کر سکوں گی اور اس کے بعد انشاء اللہ خود تمہارے پاس آؤں گی۔"

سعاد نے پوچھا "تم نے غرناطہ سے اس کے ساتھ ہجرت کی تھی ؟"

"نہیں! میں یہیں پیدا ہوئی تھی۔ یہ میرے باپ کا مکان ہے۔ ہمارے گاؤں کا ایک آدمی غرناطہ میں بادشاہ کا ملازم تھا اور میرے شوہر کے ساتھ کام کرتا تھا۔ ہمارے رشتے کے لیے اس نے میرے باپ پر زور دیا تھا۔"

سعاد نے باری باری عمارہ کے بچوں کو اٹھا کر پیار کیا اور ان کے ہاتھ

میں سونے کا ایک ایک سکہ تھماتے ہوئے کہا "بہن! اب میں جاتی ہوں۔ تم اپنے شوہر کو یہ شک نہ ہونے دو کہ ہم اس پر کوئی شبہ کرتے ہیں اور تم جب چاہو ہمارے گھر آ سکتی ہو۔"

تھوڑی دیر بعد سعاد گاؤں سے باہر نکلی تو ابو یعقوب اس کا انتظار کر رہا تھا ـــــ

تیسرے روز عمارہ ان کے گھر آئی۔ اس نے سعاد کو یہ بتایا کہ جب ابو عامر نے ابوالحسن کو آخری بار دیکھا تھا تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا ـــــ لیکن اب اسے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ڈان لوئی نے اسے غرناطہ سے دور کسی جگہ پہنچا دیا ہے۔"

اس کے بعد دن ہفتوں مہینوں اور برسوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ غرناطہ کے متعلق تشویشناک خبریں آنے لگیں۔ مصعب اور اس کی بیوی نے کئی بار ہجرت کا ارادہ کیا لیکن سعاد ہر بار یہ کہتی "آپ جائیں! میں اس کا انتظار کروں گی۔"

گرد و پیش کے حالات نے سعاد کو ظاہری سہاروں سے بے نیاز کر دیا تھا، لیکن جب وہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتی تو اسے محسوس ہوتا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔



انکوی زیشن —— "کلیسا کے محکمۂ احتساب" کے مظالم کی ایک جھلک
(یورپ کے ایک مصوّر کی نظر میں)

انکوی زیشن [1]

سپین میں کلیسا کے ماضی کے بارے میں جو کتاب لکھی جائے گی، اس میں انکوی زیشن کا ذکر ضرور آئے گا اور اس داستان کا پس منظر خاص طور پر وہ دَور ہے، جب اندلس کے مسلمان انکوی زیشن کی ہولناکیوں کا سامنا کر رہے تھے۔

عام طور پر انکوی زیشن کا ترجمہ احتساب کیا جاتا ہے، لیکن یہ ایک لفظ، یا دو چار اور الفاظ اس کے ساتھ شامل کر دیے جائیں تو بھی اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے کافی نہیں۔ معانی کے اعتبار سے بظاہر احتساب کی طرح انکوی زیشن بھی ایک بے ضرر سا لفظ معلوم ہوتا ہے مگر جب ہم کلیسا بالخصوص ہسپانوی کلیسا کے ماضی پر نظر دوڑاتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تیرھویں صدی سے لے کر اٹھارھویں صدی تک اس سے زیادہ ہیبت ناک لفظ کوئی نہ تھا۔

یہ ایک وسیع محکمہ تھا، جس کے اندر مخبری، جاسوسی، عدالت اور اذیت رسانی کے شعبے ایک ہی مقصد کے لیے کام کرتے تھے۔ یہ ان راہبوں

---

[1] INQUISITION

کی سلطنت تھی، جو لوگوں کو جبراً عیسائی بناتے تھے اور پھر ان کا مال و دولت چھیننے اور انھیں ہلاک کرنے کے لیے اُن پر یہ الزام عاید کرتے تھے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے۔

الزام عاید کرنے کے لیے ایک خفیہ گواہ کافی سمجھا جاتا تھا اور الزام ثابت کرنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو اس قدر اذیتیں دی جائیں کہ وہ ناکردہ گناہوں کے اعتراف پر مجبور ہو جائے۔

صلیب کے پرستاروں نے انتہائی بے بسی کی آغوش میں آنکھ کھولی تھی اور پھر صدیوں کے فاصلے طے کرنے کے بعد رومی شہنشاہوں کے دوش بدوش اپنے اقتدار کی مسندیں آراستہ کی تھیں اور اس کے بعد مذہب کے نام پر بے گناہوں کے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔

۳۱۲ء میں قسطنطین کی تخت نشینی کے ساتھ عیسائیت کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ تین صدیوں کے دوران رومی حکمران عیسائیت قبول کرنے والوں کو بدترین سزائیں دیتے رہے، لیکن قسطنطین کے عیسائی ہو جانے کے بعد کلیسا براہِ راست سلطنت کے اقتدار میں حصے دار بن گیا اور زمانے کے ستائے ہوئے راہب مظلوموں کی صف سے نکل کر ظالموں کی صف میں کھڑے ہو گئے اور انھوں نے غیر عیسائیوں کے ساتھ وہی سلوک شروع کر دیا جو قیصرانِ رُوم اپنے سیاسی حریفوں سے کرتے تھے۔

ابتدائی ادوار میں جس نسبت سے قسطنطین کے جانشین طاقت ور ثابت ہوئے، اسی نسبت سے انھیں کلیسا پر سیاسی بالادستی حاصل رہی، مگر کمزور حکمران جن کے اسلاف نے اپنے خون اور پسینے سے کلیسا کی بنیادیں استوار کی تھیں، یہ دیکھ رہے تھے کہ وہ کلیسا کو اپنا آلۂ کار بنانے کی بجائے

بذاتِ خود اس کے آلۂ کار بن کر رہ گئے ہیں۔

کلیسا کے سیاسی اور اخلاقی ضابطوں میں وہ لچک نہ تھی جو رومیوں کے قانون میں تھی۔ عیسائی راہب ہر اس تحریک یا نظریات کے دشمن تھے جو ان کے عقائد سے مختلف تھے۔

ان کے ہاں منطق کا جواب جبر و تشدد تھا۔ خلقِ خدا کے لیے ان کا ایک ہی پیغام تھا اور وہ یہ کہ ہمارے ساتھی بن جاؤ، ورنہ ہم تمھیں مار ڈالیں گے۔

چھٹی صدی کے اختتام تک عیسائی قریباً نوّے فرقوں میں تقسیم ہو چکے تھے اور انھوں نے جس شدت کے ساتھ قدیم مذاہب کے حامیوں کو کچلا تھا اس سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ ایک دوسرے کا گلا کاٹ رہے تھے۔

ان میں سے جس گروہ کو حکومت کی سرپرستی حاصل ہوتی تھی، اس سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں کو سزا دینے کا مسئلہ حکومت کے سامنے پیش کیا جاتا تھا لیکن پھر یہ حالت ہو گئی کہ کلیسا کے برسرِ اقتدار فرقوں نے اپنے مخالفین کو سزائیں دینے کا مسئلہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

ریاست پر کلیسا کی گرفت جس قدر مضبوط ہوتی گئی، اسی قدر اس کی آزادی اور خود مختاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب شمال سے وحشی اقوام کی یلغار نے رومی سلطنت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں تو کلیسا کے راہبوں نے بتدریج ان وحشیوں کو عیسائیت کی آغوش میں لے لیا اور قدیم سلطنت کے کھنڈروں پر کلیسا کے اقتدار کی نئی عمارت کھڑی کر دی۔

اب پوپ سلطنت کے سرکاری فرقے کی رہنمائی کرتا تھا۔ اسے مخالف فرقوں کو کلیسا سے خارج کرنے یا ان کے لیے سزائیں تجویز کرنے کے تمام

اختیارات حاصل تھے، جو پرانے وقتوں کے قیصر اپنی رعایا بالخصوص عیسائیوں کے خلاف استعمال کرتے تھے۔

جب کلیسا اور برسر اقتدار طبقے کے اہلکار کسی ایسے فرقے کو یا اس کے رہنما کو کچلنے کی ضرورت محسوس کرتے تھے جو ان کے مروجہ دین یا قانون کے کسی ضابطے کی مخالفت کرتا تھا تو اس مقصد کے لیے خاص خاص عدالتیں قائم کی جاتی تھیں۔

تیرھویں صدی کے اوائل تک عوام کی اجتماعی اور انفرادی زندگی میں کلیسا کا عمل دخل اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ پوپ انوسینٹ ثالث نے کلیسا کے محکمۂ احتساب کو ایک مستقل ادارہ[1] بنا دیا اور اس ادارے یا محکمے کے ساتھ نصرانی دنیا

---

[1] ۱۲۰۹ء میں پوپ انوسینٹ نے ایوگنون AVIGNON میں کلیسا کے راہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی اور وہاں یہ فیصلہ ہوا کہ ہر علاقے کا بشپ اس بات کا حتمی اعلان کرے کہ وہ کلیسا سے اختلاف رکھنے والوں کی سزاؤں کے بارے میں پوپ کے احکام کی پابندی کرے گا۔ اس کانفرنس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک پادری یا دو عام آدمی کسی آدمی کے بارے میں کسی ایسے قول و فعل کی گواہی دیں جو ارتداد کے دائرے میں آتا ہو تو اس کے خلاف بلا تاخیر اقدام کیا جائے ——— پھر ۱۲۱۵ء میں پوپ نے ایک اور کانفرنس بلائی اور انکوی زیشن کا دائرہ وسیع کرنے کے لیے یہ فیصلہ ہوا کہ تمام عیسائی حکمرانوں سے یہ حلف لیا جائے کہ اگر کلیسا کسی کو مرتد قرار دے تو وہ اسے ختم کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ اس اقدام سے پوپ انوسینٹ نے یک قلم عوام کو ان کی آزادیٔ ضمیر اور حکمرانوں کو ان کے اختیارات سے محروم کر دیا۔

مرتدین سے مراد وہ لوگ تھے جو حکومت کے تسلیم شدہ چرچ سے قولاً فعلاً کوئی اختلاف رکھتے تھے اور مذہبی معاملات میں اس کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے تھے، انھیں کلیسا سے خارج کرنے کے لیے یہ طریق کار وضع کیا گیا کہ جب کلیسا کسی کو مرتد قرار دے تو اسے محکمۂ فوجداری کے حوالے کر دیا جائے اور وہاں سے سزا پانے والوں کی جائداد ضبط کر لی جائے۔

جن لوگوں کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہ ہوتا اور کلیسا صرف شبہ کی بنا پر ان پر کوئی پابندی عاید کرنا چاہتا تو انھیں شہری حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا اور حکمرانوں کو انھیں کوئی ملازمت یا عہدہ دینے کا اختیار نہ ہوتا۔

میں ظلم و تشدد کا وہ دور شروع ہوا جس کی مثال انسانیت کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔

بعض لوگ انکوی زیشن کے جواز میں انجیلِ مقدس کا حوالہ[1] پیش کرتے ہیں ——— اب محکمۂ احتساب کلیسا کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ تھا جسے یورپ کے ظالم ترین حکمرانوں کی افواج سے کہیں زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ کسی بادشاہ کی یہ مجال نہ تھی کہ کلیسا کے احکام سے سرتابی کر سکے۔

چنانچہ ۱۲۲۶ء میں شہنشاہ فریڈرک ثانی کو کلیسا کے خوف سے یہ اعلان کرنا پڑا کہ حکومت کے عمّال کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ مقدس انکوی زیشن کے ملازم جہاں جائیں، وہ اُن کی حفاظت کریں اور ان سے عزت کے ساتھ پیش آئیں ——— اگر وہ کسی پر شک و شبہ ظاہر کریں تو اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے اور جب انکوی زیشن کے اہلکار اس پر فردِ جرم عاید کریں تو اسے آٹھ دن کے اندر اندر کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں کے خلاف ارتداد کا جرم ثابت ہوتا تھا، انھیں عام طور پر زندہ جلا دیا جاتا تھا، لیکن بعض حالات میں صرف ان کی زبان کاٹ دینا بھی کافی سمجھا جاتا۔ جُرم چھوٹا ہوتا یا بڑا، سزا معمولی ہوتی یا انتہائی سنگین، گرفتار ہونے والوں کی جائداد بہرحال ضبط کر لی جاتی تھی ——— اُس کا ایک حصہ انھیں گرفتار کرنے والوں، دوسرا اُن کے خلاف اطلاع دینے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور تیسرا کلیسا کے خزانے میں چلا جاتا تھا۔

راہبوں کی ہوسِ دولت کا یہ عالم تھا کہ انھیں دن رات محکمۂ احتساب کا

---

[1] "میں انگور کا درخت ہوں، تم اس کی ڈالیاں ہو، جو مجھ میں قائم رہتا ہے اور میں اس میں۔ وہی بہت پھل لاتا ہے، کیونکہ مجھ سے جُدا ہو کر تم کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مجھ میں قائم نہ رہے تو وہ ڈالی کی طرح پھینک دیا جاتا ہے اور سوکھ جاتا ہے اور لوگ اسے جمع کر کے آگ میں جھونک دیتے ہیں اور وہ جل جاتی ہیں۔" یوحنا: باب ۱۵، ۵ تا ۶

دائرہ وسیع کرنے کی فکر رہتی تھی۔ لوگوں پر جھوٹے مقدمات بنانا اور انھیں بدترین ذہنی اور جسمانی سزائیں دے کر ناکردہ جرائم کے اعتراف پر مجبور کرنا ایک معمول بن چکا تھا۔ خلق خدا ظلم کی چکی میں پس رہی تھی اور کلیسا کے محافظ رومی شہنشاہوں کی سی زندگی بسر کرتے تھے۔

تیرھویں صدی عیسوی میں ڈومینکی DOMINICAN فرقہ کے عروج کے ساتھ کلیسا کے مظالم کا ایک نیا دور شروع ہوا اور وہ پادری جنھیں عیسائیت کے ابتدائی دور میں رومی سلطنت کی حدود کے اندر سر چھپانے کی جگہ نہیں ملتی تھی، عالم انسانیت سے اپنے ماضی کی بے بسی اور مظلومیت کا پورا پورا انتقام لے رہے تھے۔

مجرموں کی گرفتاری سے لے کر عدالتوں کے سامنے پیش کرنے اور سزا کا حکم سنانے تک محکمۂ احتساب کی تمام کارگزاری خفیہ ہوتی تھی اور کسی کے اچانک گھر سے غائب ہو جانے پر یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ انکوی زیشن کے غلاوا اسے گرفتار کر کے کسی اذیت خانے میں لے گئے ہیں، لیکن انکوی زیشن کے کسی اقدام پر نکتہ چینی کرنا یا اس کے متعلق خبر دینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔

پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام تک یورپ کے کسی مؤرخ کو ان لاکھوں مظلوموں کا ذکر کرنے کی اجازت نہ تھی، جو کلیسا کے حکم سے موت کے گھاٹ اتارے گئے تھے، لیکن سولھویں صدی میں ماضی کے نقاب آہستہ آہستہ سرکنے لگے اور انکوی زیشن کی ہولناکیوں کے خلاف ستم رسیدہ انسانوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

۱؎ رینالٹو گونزالز مونٹانو REINALTO GONZALEZ MONTANO غالباً پہلا مصنف تھا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان عیسائی فرقوں کے علاوہ جنھیں رومن کیتھولک چرچ نے مرتد قرار دیا تھا، احتساب کے تشدد کا دوسرا نشانہ یہودی تھے۔

صلیبی جنگوں کے دوران یورپ کے سرمایہ دار یہودیوں نے اپنے

جس کی آواز نے یورپ کے طول و عرض میں محکمۂ احتساب کی ہولناکیوں کے خلاف ایک طوفان بپا کر دیا۔ وہ ایک ہسپانوی تھا جس نے محکمۂ احتساب کے مظالم سے فرار ہو کر جرمنی میں پناہ لی تھی۔

۱۵۶۷ء میں انکوی زیشن کے متعلق اس کی شہرہ آفاق کتاب ہائیڈل برگ (جرمنی) سے شائع ہوئی۔ کلیسا کے مظالم کے خلاف مونٹانو کی آواز اس قدر مؤثر تھی کہ چند برس کے اندر اندر اس کے متعدد ایڈیشن اور یورپ کی دوسری زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے تھے۔ برطانوی حکومت کے ایک اہلکار نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ تھیمیو پارکر آرک بشپ کنٹربری کے نام معنون کر کے شائع کر دیا ——— برطانیہ اور مغربی یورپ کے پروٹسٹنٹ فرقے میں یہ کتاب خاص طور پر مقبول ہوئی اور مدتوں محکمۂ احتساب کی ہولناکیوں کے بارے میں مغرب کے تاریخی اور افسانوی ادب کیلئے نشانِ راہ کا کام دیتی رہی ——— افسانہ نگاروں اور مصوروں نے کافی تفصیل کیساتھ انکوی زیشن کے ان اذیت خانوں کی تصویریں کھینچیں جہاں شیطان خصلت راہب مردوں کی طرح عورتوں کے کپڑے بھی اتروا دیتے تھے ——— اسی موضوع پر ۱۸۱۷ء میں جان انٹونیو لورنٹ کی مشہور کتاب فرانسیسی زبان میں پیرس سے چار جلدوں میں شائع ہوئی ——— لورنٹ ۱۷۵۶ء میں پیدا ہوا تھا اور اس کی تصنیف اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ وہ لیگرانو LAGRANO میں محکمۂ احتساب کا سیکرٹری جنرل رہ چکا تھا ——— ۱۷۹۴ء میں اس نے محکمۂ احتساب کی عدالتوں کی اصلاح کرنے کی کوشش کی، لیکن تنگ نظر راہبوں کے سامنے اس کی پیش نہ گئی اور اسے ۱۷۹۸ء میں اپنے عہدے سے محروم ہونا پڑا ——— جب نپولین بونا پارٹ کا بھائی جوزف اسپین پر قابض ہوا تو وہ اس کے ساتھ مل گیا۔

لورنٹ کو محکمۂ احتساب کے پرانے ریکارڈ تک رسائی حاصل تھی اور جوزف بونا پارٹ نے اس محکمہ کو معطل کرنے کے بعد اس ریکارڈ کی نگہداشت اسے سونپ دی ——— لورنٹ نے اپنی مشہور کتاب ابھی ختم نہیں کی

خزانے عیسائیوں کے لیے کھول دیے تھے، لیکن جب ترکان آلِ عثمان نے ایشیا کی بجائے یورپ کو ہلال وصلیب کی رزم گاہ بنادیا اور بلقان سے لے کر آسٹریا کی حدود تک فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے تو مغربی یورپ

تھی کہ نپولین کو زوال آگیا اور لورنٹ کو بھی فرانسیسی افواج کے ساتھ ہی سپین سے نکلنا پڑا، تاہم وہ بہت سا تاریخی مواد اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہوگیا اور پیرس میں اپنی کتاب مکمل کی ـــــــ لورنٹ کے اندازے کے مطابق سپین میں ۳۱۲۱۲ آدمی ایسے تھے، جنھیں محکمۂ احتساب نے زندہ جلایا تھا۔ ۱۷۶۵۹ ایسے تھے جو محکمۂ احتساب کے آہنی پنجوں سے نکل کر بھاگ گئے تھے اور جن کے پُتلے جلائے گئے تھے ـــــــ ۱۸۵۵ء میں جان موٹلے کی تصنیف دی رائز آف ڈچ ری پبلک The Rise of Dutch Republic کا پہلا ایڈیشن لندن سے شائع ہوا۔ مُصنّف محکمۂ احتساب کی عدالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "یہ عدالت جسے ملک کے ہر دیوانی اور فوجداری ضابطے پر بالادستی حاصل تھی، چند لوگوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ اس کے ظالمانہ فیصلوں کے خلاف کوئی اپیل نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے کارندے ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تھے اور ایک ایک گھر کی خبر رکھتے تھے۔ یہ عدالت کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھی اور اسے انسانی ضمیر کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کرنے کا دعویٰ تھا، نیز اس کے سامنے پیش ہونیوالے ملزم اپنے ظاہری قول وعمل کی بجائے اپنے دل میں چھپے ہوئے خیالات کی سزا پاتے تھے .... لوگوں کو صرف شک کی بنا پر گرفتار کرلیا جاتا تھا، انھیں اس قدر اذیتیں دی جاتی تھیں کہ وہ ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوجاتے تھے اور پھر انھیں زندہ جلانے کی سزا دی جاتی تھی ...., کسی آدمی کے متعلق صرف ایک خُفیہ گواہی اس اذیت خانے میں پہنچا دینے کیلیے کافی سمجھی جاتی تھی۔ پھر جب سردی، بھوک اور ایک صبر آزما تنہائی سے اس کے ذہنی اور جسمانی قویٰ مضمحل ہوجاتے تھے تو محکمۂ احتساب کے عہدیدار اس کا معاینہ کرتے تھے۔ اگر اس میں جواب دینے کی ہمت ہوتی تھی اور وہ ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرلیتا تھا تو کم ازکم سزا یہ ہوتی تھی کہ اس کی تمام جائداد ضبط کرلی جاتی تھی اور اسے ایک معین عرصے تک یا ساری عمر کے لیے ایک ذلیل لباس سن بینٹو Sanbenito پہننے کا حکم دیا جاتا تھا...... اگر وہ بیگناہ ہونے پر مُصر رہتا تھا تو اسے مزید اذیتیں دینے کیلیے صرف ایک گواہ اور زندہ جلانے کیلیے دو گواہ کافی سمجھے جاتے تھے۔ ملزم کو صرف فردِ جُرم سنائی جاتی تھی اور خفیہ گواہ کسی صورت میں بھی اس کے

سے حکمرانوں کی توجّہ گھریلو محاذ پر مبذول ہوچکی تھی۔

یورپ کی تجارت پر یہودیوں کا قبضہ تھا اور عیسائی بادشاہوں سے لے کر ادنیٰ لوگوں تک سب ان کے مقروض تھے۔ انھوں نے اپنے حریص

سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے ـــــــ لوگ کلیسا کے اس حکم سے سخت خوفزدہ رہتے تھے کہ اگر انھیں اپنے کسی عزیز یا جان پہچان کی کسی ایسی بات کا علم ہو، جسے کلیسا قابلِ سزا سمجھتی ہو اور وہ فوراً محکمۂ احتساب کو اطلاع نہ دے تو اسے موت کی سزا دی جاسکتی تھی۔ اس لیے ملزم کے خلاف خفیہ گواہی دینے والا اس کا خوفزدہ بیٹا، اس کی بیوی، بہن، بھائی یا باپ بھی ہوسکتا تھا ـــــــ عدل وانصاف کے ظاہری تقاضے پورے کرنے کیلیے ملزم کو محکمۂ احتساب کی طرف سے ایک وکیل بھی مہیا کیا جاتا تھا لیکن اسے ایک قیدی سے کوئی بات چیت کرنے یا کوئی دستاویز دیکھنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔ خفیہ گواہ اس کے علم میں نہیں لائے جاتے تھے اور نہ اسے صفائی کے گواہ پیش کرنے کی اجازت تھی ـــــــ جب ملزم کو اذیت خانے میں بھیجا جاتا تھا تو ایذا رسانی کے آلات اور آہنی شکنجے اس کیلیے آخری عدالت بن جاتے تھے اور ناقابلِ بیان مظالم کے سامنے صبر اور حوصلہ اس کا سب سے بڑا وکیل ہوتا تھا۔ ایذا رسانی کے ماہر آدھی رات کے وقت مشعلوں کی دھیمی روشنی میں اپنا کام شروع کرتے تھے۔ قیدی مرد، عورت یا لڑکی کے کپڑے اُتروا دیے جاتے تھے۔ اس کو لکڑی کے ایک بنچ پر بٹھا دیا جاتا تھا اور پھر ایذا رسانی کی وہ مشینیں حرکت میں آتی تھیں جن کے تصور سے انسانی رُوح کانپ اٹھتی ہے ـــــــ جلاد سر سے پاؤں تک ایک سیاہ لباس میں ملبوس ہوتا تھا۔ اس کے چہرے کے نقاب میں صرف دو سُوراخ ہوتے تھے جن کے پیچھے قیدی کو اس کی خونخوار آنکھیں دکھائی دیتی تھیں ـــــــ قیدی کو کبھی گرم سلاخوں سے داغا جاتا تھا اور کبھی اس کی کھوپڑی، بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں شکنجوں میں کسی جاتی تھیں۔"

قریباً اسی دَور کا ایک اور مصنّف "جان فاکسی" لکھتا ہے کہ کلیسا کے راہب جس بے گناہ کو گرفتار کرلیتے ہیں، اسے سزا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے اور اس کیلیے وہ جھوٹی قسموں اور جعلی دستاویز سے کام لینے میں بھی دریغ نہیں کرتے ـــــــ فاکسی کی تصنیف "شہیدوں کی کتاب" کے بیسویں ایڈیشن میں ایک پادری انگرم گوبل Ingram Goble نے چند اضافے کیے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ نپولین کے زمانے

ساہوکاروں سے پیچھا چھڑانے کے لیے کلیسا سے مدد حاصل کی اور محکمۂ احتساب کے کل پرزے حرکت میں آ گئے۔ ظلم و تشدد کی ایک لہر اُٹھی اور یہودیوں کو اپنے جان و مال کے تحفظ کے لیے جبراً عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔

حامیانِ دینِ مسیحؑ کو پرستارانِ صلیب کی تعداد میں اضافہ کرنے کی بجائے یہودیوں کی دولت سمیٹنے کی فکر تھی۔ انھیں صرف یہ ثابت کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے اور اس مقصد کے لیے کلیسا کا محکمۂ احتساب موجود تھا۔ حکمران اور امراء قرضوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے انکوی زیشن کے آلہ کار بن گئے۔

میں فرانسیسی فوج نے سپین پر قبضہ کرنے کے بعد میڈرڈ میں محکمۂ احتساب کے خفیہ تہہ خانوں کی تلاشی لی تو ایک جگہ سے اذیت دینے والے بعض آلات اور مشینیں دریافت ہوئیں۔ ایک مشین ایسی تھی جس کے ساتھ سزا پانے والوں کو باندھ دیا جاتا تھا اور یہ اس طرح حرکت میں آتی تھی کہ سزا پانے والوں کی ہاتھوں کی انگلیوں سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک جسم کی تمام ہڈیوں کے جوڑ ٹوٹ جاتے تھے۔ ایک جگہ ملزموں کو پانی کے ساتھ عذاب دینے کا ساز و سامان تھا۔ ایک اور مشین کے ساتھ چالیس چھریاں منسلک تھیں۔ جب ملزم کو اس مشین کے ساتھ باندھ کر حرکت میں لایا جاتا تھا تو تیز چھریاں اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیتی تھیں ——— شیطانی تخلیق کا بڑا عجوبہ وہ مشین تھی جو بظاہر ایک بڑی گڑیا معلوم ہوتی تھی۔ اس گڑیا کو ایک قیمتی لباس سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس نے اپنے دونوں بازو اس طرح پھیلا رکھے تھے جیسے وہ کسی کو گلے لگا کر پیار کرنا چاہتی ہو۔ اس کے سامنے فرش پر ایک نصف دائرے کا نشان تھا۔ قیدی کو اس خوبصورت گڑیا کی طرف دھکیل دیا جاتا تھا اور جونہی وہ نشان کے اندر پاؤں رکھتا تھا، نیچے کسی سپرنگ پر دباؤ پڑنے سے خفیہ مشین حرکت میں آ جاتی اور گڑیا قیدی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لیتی اور اس کے ساتھ ہی بیک وقت سینکڑوں چھریاں قیدی کے جسم میں پیوست ہو جاتیں۔

عوام یہودیوں کے خلاف ہر سچی جھوٹی بات ماننے کے لیے تیار تھے اور محکمۂ احتساب کے جاسوس کسی سابقہ یہودی کے خلاف قدم اُٹھانے کے لیے صرف یہ جان لینا کافی سمجھتے تھے کہ وہ دولت مند ہے۔ جب وہ اچانک اپنے گھر سے غائب ہو جاتا تھا تو اسے جاننے والے یہ سمجھ لیتے تھے کہ وہ محکمۂ احتساب کے کسی اذیت خانے میں پہنچ گیا ہے۔

صلیبی جنگوں میں یورپ کے یہودی سرمایہ داروں نے ہمیشہ عیسائیوں کی مدد کی تھی اور تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ جب جرمنی اور مغربی یورپ کے دوسرے ممالک کے یہودیوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو چکا تھا تو انھیں ترکی کے حکمرانوں[ل] نے پناہ دی تھی۔

○

یورپ کی توہم پرستی کے باعث کلیسا کے لیے جادوگروں کا مسئلہ بھی بہت اہم بن چکا تھا۔ ۱۴۸۴ء میں پوپ انوسنٹ ہشتم نے یہ فرمان جاری کیا تھا کہ جادوگری ساری دنیا کے لیے ایک ایسی وبا ہے جس کی روک تھام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

وسطی اور شمالی جرمنی میں جادوگری کا چرچا بہت زیادہ تھا۔ چنانچہ پوپ نے ڈومینکی فرقہ کے دو راہنماؤں کورونر اور سپرنگر کو جادوگروں کے استیصال پر

ل سلطان مراد اول کے زمانے سے لے کر سلطان بایزید یلدرم کے دورِ حکومت تک ہزاروں یہودی جرمنی سے فرار ہو کر ترکی میں پناہ لے چکے تھے۔

ماخوذ کیا انھوں نے ایک رپورٹ شائع کی جس نے جرمنی میں تہلکہ مچا دیا۔ ان پادریوں کے نزدیک جادوگر شیطان کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ انھوں نے چرچ کو خبردار کیا تھا کہ جادوگر انسانوں کے بچے نگل جاتے ہیں اور ——— شیطانوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ سبت کے دن ہوا میں اُڑتے ہیں اور مویشیوں کو نقصان پہنچانے، طوفان لانے اور بجلیاں گرانے پر قادر ہیں۔

اس رپورٹ کے بعد ہر پوپ کرونر اور سپرنگر کے خیالات سے اتفاق کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۵۴۵ء میں جادوگری کے خلاف ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ ابتدا جنیوا سے ہوئی جہاں کالون نے ۳۱ آدمی قتل کروا دیے۔

ایک اندازے کے مطابق مغربی یورپ میں چودھویں اور سترھویں صدی کے درمیان پندرہ لاکھ انسان جادوگری کے جرم میں زندہ جلائے گئے۔ صرف جرمنی میں ایک لاکھ انسان سترھویں صدی کے دوران زندہ جلائے گئے تھے۔

اس زمانے میں برطانیہ میں زندہ جلائے جانے والوں کی تعداد بھی لاکھوں تک پہنچ گئی تھی۔

کلیسا کسی کو جادوگر ثابت کرنے کے لیے بھی انھی حربوں سے کام لیتا تھا جو مذہب کے دوسرے مجرموں پر آزمائے جاتے تھے۔

لوگوں کے لیے کسی ساہوکار کے قرضے سے نجات حاصل کرنے یا کسی دشمن سے انتقام لینے کا آسان ترین طریقہ یہ تھا کہ اس کے متعلق جادوگر ہونے کی افواہ اُڑا دی جائے۔ پھر جتنا زیادہ وہ دولت مند ہوتا تھا، اسی قدر کلیسا اور حکومت کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اسے مجرم ثابت کیا جائے۔

سب سے بڑی ستم ظریفی یہ تھی کہ جن یہودیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت سے بچنے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کیا تھا، ان میں سنگ دل انسانوں کا

ایک گروہ ایسا تھا جو کلیسا کے مظالم میں حصہ دار بننے کے لیے محکمۂ احتساب میں داخل ہو چکا تھا۔

ان لوگوں کو یا تو اس بات کا خطرہ رہتا تھا کہ اگر انھوں نے اپنے ہم جنسوں کے بارے میں کسی نرمی سے کام لیا تو کلیسا سے ان کی وفاداریاں مشکوک سمجھی جائیں گی یا عیسائی ہونے سے قبل انھوں نے صدیوں تک کلیسا کے جو مظالم برداشت کیے تھے، ان کے باعث وہ انتہائی منتقم مزاج اور بے رحم بن چکے تھے۔

رہبانیت کا لبادہ انھیں انسانیت کے خلاف اپنے جذبۂ انتقام کی تسکین کا سامان مہیا کرتا تھا، چنانچہ محکمۂ احتساب کے بدترین ضابطے اور ایذا رسانی کے انتہائی وحشیانہ طریقے انھی لوگوں کے زرخیز دماغ کی اختراعیں تھیں۔

پھر جن لوگوں کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش ثابت کی جا سکتی تھی، انھیں لوگوں کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کے لیے اور محکمۂ احتساب کی آہنی گرفت سے بچنے کے لیے عام عیسائیوں کی نسبت زیادہ سنگدلی کا مظاہرہ کرنا پڑتا تھا۔



یورپ کے دوسرے ممالک میں محکمۂ احتساب عیسائیوں کے معتوب فرقوں کے بعد یہودیوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا۔ سپین کے حالات یورپ کے دوسرے ممالک سے مختلف تھے۔ جب سپین کے شمال میں عیسائی سلطنتیں مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھیں تو یہودی مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کے حلیف ہوا کرتے تھے اور ان کی بڑھتی ہوئی جنگی ضرورت پورا کرنے کے لیے روپیہ مہیا کیا کرتے تھے۔

چنانچہ ۱۲۴۸ء میں جب عیسائیوں نے اشبیلیہ فتح کیا تو اپنے یہودی ساہوکاروں کو خوش کرنے کے لیے اس شہر کی تین بڑی مساجد ان کے سپرد کر دیں اور یہودیوں نے ان مساجد کو اپنی عبادت گاہوں میں تبدیل کر دیا۔

اس کے بعد سپین میں یہودیوں کی ترقی اور خوشحالی کا نیا دَور شروع ہوا۔ تجارت پر پہلے ہی ان کا قبضہ تھا اور اب انھوں نے حکومت میں بھی اہم عہدے حاصل کر لیے تھے۔ الفانسو ہشتم کا خزانچی ایک یہودی تھا اور اس کی ایک داشتہ بھی یہودی تھی۔ حکومت کی سرپرستی میں یہودی اپنے قرض داروں سے چالیس فیصدی تک سُود وصول کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے کئی بااثر خاندان ان کے قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے تھے۔

عیسائی جاگیرداروں کو اپنے یہودی ساہوکاروں کی تجوریاں بھرنے کے لیے عوام سے زیادہ سے زیادہ روپیہ بٹورنے کی فکر رہتی تھی۔ تیرھویں صدی کے وسطِ آخر میں یہودیوں کی بے پناہ دولت اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے خلاف ایک ردِّ عمل شروع ہوا۔ کلیسا کے راہب پہلے ہی ان کی امارت سے جلے ہوئے تھے چنانچہ انھوں نے عوام اور امرا کے تعاون سے یہودیوں کے خلاف ایک تحریک شروع کر دی۔

عیسائی پادریوں کے ایک گروہ میں سے ایک شعلہ بیان مقرر ہرنینڈو مارٹینز تھا ——— یہ جنونی راہب جہاں جاتا تھا، وہاں یہودیوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اُٹھتی تھی۔ اس تحریک میں وہ لوگ پیش پیش تھے، جن کے نزدیک یہودیوں کے قرضوں سے نجات حاصل کرنے کی یہی صُورت تھی کہ انھیں لُوٹ لیا جائے اور ان کے بہی کھاتے جلا دیے جائیں۔

مالدار یہودیوں نے مارٹینز کے خلاف بادشاہ، بشپ آف اشبیلیہ اور پوپ سے اپیلیں کیں۔

بادشاہ اور بشپ نے اسے یہودیوں کے خلاف اشتعال انگیزی بند کرنے کے احکام صادر کیے، لیکن ہرنینڈو مارٹینز نے یہ احکام ٹھکرا دیے اور اعلان کیا کہ میرے اندر خدا کی روح ہے اور انسانوں کے احکام میری زبان بند نہیں کر سکتے۔

اس پر اشبیلیہ کے آرک بشپ ڈان پیڈرو نے تنگ آ کر اس کے خلاف فتویٰ لگایا اور اس کے تمام اختیارات چھین لیے۔

پھر جب ایک مجرم کی حیثیت سے اُس کے مقدمے کی سماعت ہونے والی تھی تو آرک بشپ اچانک چل بسا اور ہرنینڈو اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس کا جانشین بن گیا اور اس نے اوّلین فرصت میں یہودیوں کی کئی عبادت گاہیں جلوا دیں۔

اس کے بعد یہ آگ جس کے شعلے اشبیلیہ کے متمول یہودیوں کے گھروں سے بلند ہوئے تھے، پورے اندلس میں پھیل گئی اور قرطبہ، برگس، طلیطلہ، ارغون، قطلونیہ، برشلونہ کی گلیاں یہودیوں کے خون سے بھر گئیں اور وہ جو زندہ رہنا چاہتے تھے، ان کے لیے عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔

عوام کے اشتعال کا یہ عالم تھا کہ جن سرکاری حکام نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی، انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ عیسائی مؤرخوں کے اندازے کے مطابق کوئی پچاس ہزار یہودی مارے گئے اور قریباً دس لاکھ یہودیوں نے اصطباغ لے لیا۔ جب عوام کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو بچے کھچے یہودی جو ابھی تک بہتر مستقبل کی امید پر اپنے دین پر قائم تھے، اپنی پناہ گاہوں سے باہر نکلے اور انھوں نے جلی ہوئی عبادت گاہیں پھر تعمیر کرنی شروع کر دیں۔

لیکن انتقام کی آگ پھر بھڑک اٹھی اور حکومت کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ اب کوئی یہودی اپنی مذہبی عدالتوں میں جج کا عُہدہ حاصل نہیں کر سکے گا اور ان کے تمام مقدمات کا فیصلہ عیسائی جج ہی کیا کریں گے۔ ہر شہر میں صرف ایک ہیکل کے سوا باقی تمام عیسائیوں کے گرجوں میں تبدیل کر دیے جائیں گے۔

یہودی طب، جراحی اور علم کیمیا میں حصّہ نہیں لے سکیں گے۔ انھیں عیسائیوں کے ساتھ تجارت یا کسی قسم کے لین دین کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ حکومت کے ٹیکس کلکٹر کے عہدے پر فائز نہیں ہو سکیں گے۔ وہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکیں گے اور نہ عیسائی بچوں کے ساتھ کسی مدرسے میں تعلیم حاصل کر سکیں گے۔

انھیں اپنی آبادیوں کے گرد چار دیواری تعمیر کرنی پڑے گی تاکہ وہ عیسائیوں کے ساتھ کسی قسم کا ربط نہ رکھ سکیں اور انھیں اپنے خیالات سے متاثر نہ کر سکیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان شادیاں نہیں ہو سکیں گی۔ اگر کوئی یہودی کسی عیسائی طوائف کے ساتھ بھی تعلق رکھے گا تو اسے زندہ جلا دیا جائے گا۔

یہودیوں کو بال تراشنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ وہ سال میں کم از کم تین بار عیسائی راہبوں کے وہ خطبے سُنا کریں گے جن میں انھیں اور ان کے اکابر کو بدترین گالیوں سے نوازا جاتا تھا۔

جبراً عیسائی بنائے جانے والے یہودیوں کو مارانو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے باعث ان کے لیے ترقی اور خوش حالی کے وہ دروازے کُھل گئے تھے جو یہودیوں پر بند تھے اور وہ اپنی ذہانت اور محنت کے باعث نہ صرف تجارت اور صنعت و حرفت میں آگے نکل گئے تھے بلکہ

انھوں نے کلیسا اور حکومت میں بڑی بڑی ملازمتیں بھی حاصل کر لی تھیں۔

عیسائیوں کے تعصب کی آگ سے بچنے کے لیے ان کا مذہب قبول کر لیا تھا، لیکن نئے عیسائیوں کی ترقی پُرانے عیسائیوں کو بُری طرح کھٹکتی تھی، چنانچہ انھوں نے اس قسم کی افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ یہودی صدق دل سے عیسائی نہیں ہوئے ـــــــ اس الزام کے ثبوت کے لیے کلیسا نے اُن نو عیسائیوں سے کام لیا جو کسی لالچ یا خوف سے اپنے بھائیوں کے خلاف جاسوسی کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

جب تک فرڈی نینڈ اور ازابیلا غرناطہ کے مسلمانوں سے برسرِ پیکار تھے تو انھوں نے یہودیوں سے مالی اعانت حاصل کرنے کے لیے بلنسیہ، قتلونہ اور المتوار میں انکوی زیشن کو ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع نہ دیا، لیکن جب غرناطہ میں مسلمانوں کی سلطنت کا چراغ گُل ہو گیا اور ملکہ ازابیلا پہلی بار اشبیلیہ آئی تو اس نے وہاں انکوی زیشن کی بنیادیں رکھ دیں۔

تاریخ کے طالب علم کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ ملکہ ازابیلا کے مشیروں، سکریٹریوں اور نجی ملازموں میں اُن نئے عیسائیوں کی خاصی تعداد موجود تھی جو نسلاً یہودی تھے۔ ان یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں فرڈی نینڈ کو بہت مدد دی تھی اور وہ اُن کا احسان مند تھا، لیکن اُن سے زیادہ دولت بٹورنے کے لیے وہ بھی ملکہ کا حامی بن گیا۔



ڈومینکی فرقے کا ایک راہب جس نے انکوی زیشن کو مذہب کا ایک انتہائی مقدس فریضہ بنا دیا تھا اور ہسپانیہ میں ظلم و استبداد کی عمارت کے لیے

پائدار بنیادیں مہیا کی تھیں۔ سگوڈیا کی خانقاہ کا ایک راہب تورکیمڈا[1] تھا۔ وہ سیاہ رنگ کا کھردرا لباس پہنتا تھا اور لوگ اس کی سادگی سے مرعوب تھے۔

اور اندلس کے حکمران جس بات سے خاص طور پر متاثر ہوئے وہ اُس کی شیطانی ذہانت تھی۔ ۱۴۷۸ء میں جب کہ تورکیمڈا کی عمر ۵۸ سال ہو چکی تھی وہ طلیطلہ اور ارغون کا محتسب اعلیٰ مقرر ہوا اور اُس نے ظلم و وحشت کا ایک ایسا بھیانک نظام رائج کیا، جس کے تصور سے انسان کا ضمیر کانپ اُٹھتا ہے۔

فرڈی نینڈ کو غرناطہ کے مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن اور طویل جنگ لڑنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سرمائے کی ضرورت تھی اور اُس نے کلیسا کی بجائے اپنی ضرورت پورا کرنے کے لیے محکمۂ احتساب کو ایک خود مختار ادارہ بنا دیا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں اس کی بیشتر رعایا اپنی جان و مال بچانے کے لیے عیسائی مذہب قبول کر چکی تھی۔

ان نئے عیسائیوں میں مال دار گھرانے اس کی نگاہوں میں بُری طرح کھٹکتے تھے اور اسے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اپنے چہرے پر مذہب کی نقاب ڈال کر خلقِ خدا کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ لوٹ سکتا ہو اور نئے عیسائیوں کو پاپائے روم کے تحفظ سے محروم کرنے کے لیے یہ تاثر دے سکتا ہو کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، اس سے صرف دین کی بھلائی مقصود ہے۔

تورکیمڈا نے انکوی زیشن کے لیے جو رہنما اصول وضع کیے تھے، وہ فرڈی نینڈ کی اسی ضرورت کے لیے تھے۔ اس نے جو قواعد و ضوابط بنائے تھے اُن کا اصل مقصد لوگوں کی املاک ضبط کرنا تھا، چنانچہ ارتداد کے مجرموں کی جائدادیں اُس

[1] بعض روایات کے مطابق تورکیمڈا کا شجرہ نسب یہودیوں سے ملتا تھا۔ اسی طرح فرڈی نینڈ کے متعلق بھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی رگوں میں یہودی خون کی آمیزش تھی۔

دن سے ضبط سمجھی جاتی تھیں، جب وہ کلیسا کے خلاف پہلی بار کسی جرم کے مرتکب ہوتے تھے۔

ارتکابِ جرم اور گرفتاری کے درمیان اگر اُنھوں نے اپنی جائداد کا کوئی حصّہ قرضہ چکانے یا کوئی اور ضرورت پوری کرنے کے لیے فروخت کر دیا ہوتا تھا تو وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔ پھر جب محکمۂ احتساب کے جلاد ایک آدمی سے ناکردہ گناہ کا اعتراف کروا لیتے تھے تو اسے مزید اذیتیں دے کر دوسرے لوگوں کو پھانس لیا جاتا تھا۔

مثلاً ایک ملزم کو بیان دینے پر مجبور کیا جاتا تھا کہ اس کا باپ، دادا، بھائی، ماموں یا چچا بھی اس کے ہم خیال تھے تو وہ بھی گرفتار ہو کر اذیت خانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس طرح ایک فرد یا ایک کنبہ کی بربادی سے ان گنت خاندانوں کی تباہی کا راستہ کھُل جاتا تھا۔

باپ یا دادا کی موت سے چالیس سال بعد بھی ان کے فرضی جرائم کی سزا دی جاتی تھی اور وہ تمام جائداد جو چالیس سال کی مدت میں کئی وارثوں میں تقسیم ہو چکی ہوتی تھی ضبط کر لی جاتی تھی اور اس کا جو حصّہ فروخت ہو چکا ہوتا تھا یا جہیز میں دیا جا چکا ہوتا تھا، وہ بھی ضبط کر لیا جاتا تھا۔

کلیسا مُردوں کو جسمانی اذیتیں دینے پر قادر نہ تھا، اس لیے قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر زندہ جلائے جانے والے مجرموں کے ساتھ آگ میں جھونک دی جاتی تھیں۔

جو لوگ ملک سے فرار ہو چکے ہوتے تھے، ان پر ان کی غیر حاضری میں مقدمے چلائے جاتے تھے اور جب کسی مفرور کی موت کا فیصلہ ہوتا تھا، اُس کا پُتلا جلا دیا جاتا تھا۔

کمسن مجرموں کے ساتھ یہ رعایت برتی جاتی تھی کہ اگر وہ یہ اعتراف کر لیتے کہ وہ اپنے والدین کی گمراہی کا شکار ہوئے ہیں تو ان کی سزا نسبتاً کم ہوتی تھی لیکن وہ اپنے والدین کی ضبط شدہ املاک سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔



ماضی کے حکمران اپنی رعایا سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے کے لیے یہودی کارندوں سے کام لیا کرتے تھے، لیکن تورکیمڈا اور اس کے جانشینوں نے فرڈی نینڈ اور ازابیلا کو یہودیوں کی خدمات سے بے نیاز کر دیا تھا۔

اب کسی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنے کی آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ پہلے اس پر مرتد ہونے کا الزام عاید کیا جائے۔ گرفتار کرنے والوں کو ملزم کے خلاف ثبوت کی بالکل ضرورت نہ تھی۔ محکمۂ احتساب کے اذیت خانے موجود تھے۔

سخت جان لوگوں کو طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں اور ہر اذیت کے بعد پھر ایک نیا بیان لیا جاتا تھا۔ پھر ان بیانات کے معمولی فرق سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ ملزم نے دانستہ غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

ملزم پر انکوی زیشن کے جلادوں کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی تھی کہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانس تک نئی نئی اذیتیں برداشت کرنے یا رحم کی امید پر ناکردہ گناہوں کا اعتراف کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نظر نہیں آتا تھا۔

پھر محکمۂ احتساب کے کارندے یہی کافی نہیں سمجھتے تھے کہ ملزم نے اپنے ذاتی گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے بلکہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام ظاہر کرنے کے لیے مزید اذیتیں دی جاتی تھیں، یہاں تک کہ ملزم کی ذہنی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ وہ آرام کے چند سانس لینے کے لیے کئی بے گناہوں کے

نام ظاہر کر دیتا تھا۔ اس طرح ظلم و تشدد کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

مقدمات کا فیصلہ ہونے میں کئی مہینے اور بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے۔ ملزم کی گرفتاری کے ساتھ اس کی تمام جائداد محکمۂ احتساب اپنی تحویل میں لے لیتا۔ اس کے گھر کے سارے ساز و سامان کی مکمل فہرست تیار کی جاتی اور قید کے ایام میں اس کے تمام اخراجات اُس کی جائداد کی نیلامی سے پورے کیے جاتے تھے۔ ان اخراجات میں وکیل کی فیس بھی شامل ہوتی تھی۔ اس طرح انتہائی باعزت اور مالدار آدمیوں کے بال بچے صرف زندہ رہنے کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

گرفتار ہونے والے ملزموں کو جسمانی سزا سے پہلے ذہنی اذیتیں دی جاتی تھیں۔ ابتدا میں انھیں اذیت خانے دکھا کر مختلف سزاؤں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اس کے بعد انھیں مسلسل کئی کئی دن جگائے رکھنے کی سزا دی جاتی تھی اور انھیں پے در پے سوالات سے تھکا کر اپنی مرضی کے بیان حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ اسے ذہنی طور پر مفلوج کرنے کے لیے ننگا اور بھوکا رکھا جاتا تھا اور اُس سے متضاد بیان دلوائے جاتے تھے۔

جب ذہنی اذیتیں ملزم سے اقبالِ جرم کروانے میں ناکام ثابت ہوتی تھیں تو اسے جسمانی[1] عذاب دیا جاتا تھا۔

---

[1] انکوی زیشن کے عام مؤرخ صرف چند سزاؤں کا ذکر کرتے ہیں لیکن مارسلیس جسمانی سزاؤں کے ۱۴ مختلف طریقے بیان کرتا ہے۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ ملزم کے پاؤں کے تلووں کو چربی لگا کر انگاروں یا گرم سلاخوں سے حرارت پہنچائی جاتی تھی۔ پھر کوڑے لگا کر صلیب پر لٹکا دیا جاتا تھا اور ایک ہاتھ میں میخ ٹھونک دی جاتی تھی ——

ایک اور طریقہ یہ تھا کہ اذیت خانے کی چھت پر ایک چرخی لگی ہوتی تھی جس کے اوپر سے اس کو لٹکا دیا جاتا تھا رسّے کے ایک سرے سے ملزم کی دونوں کلائیاں پیچھے کی طرف باندھ دی جاتی تھیں۔ پھر جلاد رسّے کو

کلیسا کی عدالت سے سزا پانے والے ملزم دو حصوں میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ ایک وہ جو اذیت کے دوران اعترافِ جرم کر لیتے تھے لیکن اس کے بعد منحرف ہو جاتے تھے۔ دوسرے وہ جو اعترافِ گناہ کے بعد پہلی بار موت کی سزا سے بچ جاتے تھے، لیکن ان کے خلاف دوبارہ اسی جرم کے ارتکاب کی گواہی مل جاتی تھی۔ ان دونوں گروہوں کو عام طور پر زندہ جلایا جاتا تھا۔

اذیت خانے سے لے کر عدالت تک اور عدالت سے لے کر اُس چوک یا میدان تک جہاں مجرموں کو زندہ جلانے کی رسومات ادا کی جاتی تھیں۔ محکمۂ

آہستہ آہستہ اُوپر کھینچتے تو ملزم کے پاؤں زمین سے اُٹھ جاتے تھے اور اس کا سارا وزن پیچھے کی طرف بندھے ہوئے بازوؤں پر آجاتا تھا۔ پھر رسّے کو ذرا ڈھیلا کر کے اُس سے سوالات پوچھے جاتے تھے اور اعترافِ گناہ کا مشورہ دیا جاتا تھا۔ اگر وہ اقرارِ جرم نہ کرتا تو جلاد رسّہ کھینچ کر اسے چھت کے قریب لے جاتے، پھر رسّا اچانک ڈھیلا چھوڑ دیا جاتا۔ جب ملزم تیزی سے نیچے آتا تو رسّا اچانک کھینچ لیا جاتا۔ اس طرح ایک زبردست جھٹکے کیساتھ اس کے بازو اکھڑ جاتے۔ ایک ناقابلِ برداشت تکلیف کی حالت میں ملزم کو دوبارہ جلادوں کے سوالات کا جواب دینا پڑتا۔ اگر وہ اعترافِ جرم پر آمادہ نہ ہوتا تو چھت کی طرف کھینچنے اور جھٹکے کے ساتھ نیچے گرانے کی مشق دوبارہ دہرائی جاتی اور اس سزا کو مزید اذیت ناک بنانے کیلیے ملزم کے پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا جاتا۔ ہر جھٹکے کے ساتھ وزن میں اضافہ کیا جاتا۔ پھر درد کی شدت میں اضافہ کرنے کیلیے اوپر اور نیچے کا فاصلہ بڑھا دیا جاتا ــــــ جب جلاد تھک جاتے تو ملزم کو فرش اور چھت کے درمیان کچھ دیر معلق چھوڑ دیا جاتا ــــــ مؤرخ ملگارس مارن لکھتا ہے کہ بعض اوقات سخت جان ملزموں کو تین تین گھنٹے معلق رکھا جاتا تھا۔ جب وہ بیہوش ہو جاتے تھے تو اذیت کو دو یا تین دن کیلیے ملتوی کر دیا جاتا تھا۔ یہ شغل تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اس وقت تک جاری رہتا تھا، جب تک کہ ملزم اقرارِ جرم پر آمادہ نہیں ہو جاتا تھا ــــــ محکمۂ احتساب کے کلرک جلادوں کی کارگزاری، ملزم کی عمر، صحت، لٹکائے جانے اور معلق رکھنے کے اوقات، اس کی ذہنی اور جسمانی حالت پر ان وحشیانہ سزاؤں کی پوری تفصیلات لکھتے جاتے تھے ــــــ اس کے بعد پانی کے ساتھ دی جانے

احتساب کے ملازم اس بات کی پوری کوشش کرتے تھے کہ سزا پانے والے اپنی موت سے پہلے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں۔ اگر کوئی آخری لمحات میں بھی راہبوں کی خواہش کے مطابق کوئی ناکردہ گناہ اپنے سر لے لیتا تھا تو اسے اس فرمانبرداری کا یہ صلہ دیا جاتا تھا کہ جلاد جو اس کے پیچھے کھڑا ہوتا تھا، آگ کے شعلے قریب آنے سے پہلے اُس کا گلا گھونٹ دیتا تھا یا گردن مروڑ کر ہلاک کر دیتا تھا ــــــ اور خداوندانِ کلیسا اس بات پر خوشیاں مناتے تھے کہ اُن کی کوششوں سے ایک گناہ گار اپنی رُوح کی ہلاکت اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچ گیا ہے۔

تورکیمیڈا اپنی موت سے پہلے ایک ایسی بھیانک چتا تیار کر چکا تھا جو اُس

والی اذیت انتہائی ظالمانہ تھی اور محکمۂ احتساب کو بہت پسند تھی۔ ملزم کو ایک سیڑھی نما تختے پر لٹا دیا جاتا تھا۔ اس کا سر پاؤں سے ذرا نیچے رکھا جاتا تھا اور چمڑے کے تسمے کے ساتھ کس دیا جاتا تھا ــــــ پھر اسی طرح اس کے پاؤں، کلائیاں اور گھٹنے بھی چمڑے کے تسموں کے ساتھ کس دیے جاتے تھے۔ اس کے بعد تسموں کے نیچے لکڑیاں ڈال کر انھیں اس قدر بٹ دیا جاتا تھا کہ چمڑے کے تسمے جلد کے اندر دھنس کر ہڈیوں تک جا پہنچتے تھے۔ اس کے باوجود اگر اس میں زندگی کے کوئی آثار رہ جاتے تھے تو اس کے نتھنوں میں روئی یا کپڑا ٹھونس دیا جاتا تھا۔ وہ سانس لینے کیلیے منہ کھولتا تھا تو جلاد کپڑے کے ایک طویل ٹکڑے کا سرا اس کے مُنہ میں ٹھونس دیتے تھے اور اوپر سے پانی گراتے تھے۔ یہ کپڑا کھنچتے ہوئے سانس اور پانی کے دباؤ کی وجہ سے حلق کے اندر چلا جاتا تھا اور جس قدر یہ کپڑا تر ہو کر پھولتا جاتا تھا، اسی قدر ملزم کو سانس لینے میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔ صرف اتنی ہوا اندر جا سکتی تھی کہ وہ زندہ رہ سکتا تھا۔ کپڑے پہ پانی مسلسل گرایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ملزم کو اعترافِ جرم کی دعوت دی جاتی تھی ــــــ جب وہ نزع کے عالم میں محکمۂ احتساب کی حسبِ منشا اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیتا تو کلرک اس کا بیان لکھ لیتے اور اسے تختے سے اُتار کر اپنے بیان پر دستخط کرنے کے لیے کہا جاتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتا تو دوبارہ سزا شروع ہو جاتی تھی۔

کے بعد مسلسل دو صدیاں جلتی رہی۔ تورکیمیڈا کی زندگی میں اس مہیب الاؤ کا ایندھن عام طور پر یہودی تھے، لیکن سقوطِ غرناطہ سے چند سال بعد وہ مسلمان بتدریج اس آگ کے شعلوں کی طرف دھکیلے جا رہے تھے جن کے ساتھ فرڈی نینڈ کے معاہدے کی ایک اہم ترین شرط یہ تھی کہ کم از کم چالیس سال تک مفتوحہ علاقوں میں محکمۂ احتساب کو کسی قسم کی کارروائی کا اختیار نہیں ہوگا۔

بڑھتے ہوئے اندھیرے

سلطان ابوعبداللہ کی ہجرت کو چار سال ہو چکے تھے اور اندلس کے لوگ اس کے متعلق صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ مراکش کے حکمران مولائے حسن کی فوج میں شامل ہو چکا ہے۔

البجارہ میں وزیر ابوالقاسم کے متعلق بھی کچھ عرصہ مختلف افواہیں مشہور ہوتی رہیں اور ہر نئی افواہ کے ساتھ اضطراب کی ہلکی ہلکی لہریں اُٹھتیں لیکن چند دن بعد سکوت طاری ہو جاتا۔ آہستہ آہستہ اس کے ساتھ لوگوں کی دلچسپی کم ہو رہی تھی اور آخر یوں محسوس ہونے لگا جیسے ——— وہ کبھی تھا ہی نہیں ———

فرڈی نینڈ کی ہدایات کے مطابق غرناطہ کے گورنر مینڈوزا نے اہلِ شہر کو پُرامن رکھنے کے لیے جو نرم پالیسی اختیار کی تھی اور آرک بشپ ٹلاویرہ جس ظاہری رواداری سے کام لے رہا تھا، اس کے باعث اپنے مستقبل کے متعلق اہلِ شہر کے خدشات بہت حد تک دُور ہو چکے تھے، لیکن ملکہ ازابیلا اُن تنگ نظر راہبوں کے زیرِ اثر تھی جنھیں مسلمانوں پر کلیسا کی مکمل فتح کے لیے ایک دن کی تاخیر بھی گوارا نہ تھی۔ وہ انھیں جبراً عیسائی بنانے اور اُن کی مساجد کو گرجوں میں تبدیل کرنے کے منصوبے تیار کر چکے تھے اور ملکہ کی ساری ہمدردیاں اُن کے

ساتھ تھیں، لیکن فرڈی نینڈ بغاوت کے خوف سے کوئی سخت قدم اُٹھانے سے گریز کرتا تھا۔



۱۴۹۹ء کے موسم خزاں میں غرناطہ میں فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا کے ساتھ طلیطلہ کے آرک بشپ زیمینیس کی آمد مسلمانوں کے لیے آلام و مصائب کے ایک نئے دور کا پیش خیمہ تھی۔ ڈومینکی فرقہ کے اس چھیاسٹھ سالہ راہب کے نزدیک دینِ صحیح کا بول بالا کرنے اور "گنہگار" انسانوں کو آخرت کے عذاب سے بچانے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ انھیں موت سے پہلے ہی جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے۔

چار سال قبل طلیطلہ کا آرک بشپ ہونے تک اسے "سگوویا" کی خانقاہ میں ایک تارک الدنیا کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔ مسلسل ریاضتوں نے اسے زندگی کی ساری لطافتوں سے متنفر کر دیا تھا اور برسوں جسمانی اذیتیں برداشت کرنے کے باعث وہ رحم اور مروت کے جذبات سے یکسر عاری ہو چکا تھا۔ ملکہ ازابیلا اس کے زہد و تقویٰ سے بے حد مرعوب تھی اور کیتھولک مذہب کی ایک اہم رسم کے مطابق اُس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا کرتی تھی۔ اُس نے فرڈی نینڈ کی خواہشات کے خلاف اسے طلیطلہ کا آرک بشپ مقرر کیا تھا ——

غرناطہ کی گلیوں اور بازاروں کی رونق سراسر زیمینیس کی توقع کے خلاف تھی —— اُس نے وہ خوب صورت مساجد دیکھیں جہاں اب بھی پانچ وقت اللہ اکبر کی اذانیں سنائی دیتی تھیں —— اُس نے وہ سینکڑوں حمام

دیکھے جہاں مسلمان غسل کرتے تھے —— اُس نے غرناطہ کے کتب خانوں کے حالات معلوم کیے جہاں گزشتہ آٹھ سو سال کے علمی ذخیرے جمع تھے اور پھر نفرت کی وہ آگ جو برسوں سے اُس کے سینے میں سُلگ رہی تھی، اچانک بھڑک اُٹھی ——

فرڈی نینڈ اور ملکہ ازابیلا نے آتے ہی، سول اور فوجی حکام کو طلب کیا اور اُن سے شہر اور گرد و نواح کے مفتوحہ علاقوں کے بارے میں رپورٹ طلب کی —— فرڈی نینڈ اس بات سے خوش تھا کہ —— غرناطہ کی طرح ہر جگہ حالات اطمینان بخش تھے اور سقوطِ غرناطہ کے بعد ملکہ نے جو خدشات محسوس کیے تھے، وہ غلط ثابت ہوئے ہیں —— اُندلس میں مسلمان اپنی شکست تسلیم کر چکے ہیں اور اب کسی بغاوت کا خطرہ باقی نہیں۔

لیکن یہ صورتِ حال ملکہ ازابیلا کو مُطمئن کرنے کے لیے کافی نہ تھی۔ وہ اس بات سے بہت پریشان تھی کہ —— مسلمان ابھی تک اپنے دین پر قائم ہیں اور اسی لیے وہ زیمینیس کی طرف پُر معنی نظروں سے دیکھتی رہتی۔

پھر ایک دن اُس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی موجودگی میں فرڈی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے کہا "جب ہم نے غرناطہ فتح کیا تھا تو میری سب سے بڑی خواہش تھی کہ موت کے بعد مجھے الحمرا میں دفن کیا جائے، لیکن اب سات سال بعد میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ ہم نے صرف اپنی سلطنت کی وسعت میں اضافہ کیا ہے اور وہ مقصد جس کے لیے ہم نے یہ جنگ لڑی تھی، ابھی تک پورا نہیں ہوا —— غرناطہ میں ہمارے سپاہی دینِ مسیح کا بول بالا کرنے کی بجائے ہمارے دشمنوں کے گھروں پر پہرا دے رہے ہیں، اور ہمارا گورنر اور آرک بشپ ان کی ڈھال بن چکے ہیں۔"

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا " اگر فادر زیمینیس نے غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کے خلاف کوئی نئی شکایت پیش کی ہے تو آپ کو کھل کر بات کرنی چاہیے۔"

ملکہ بولی " فادر زیمینیس کی شکایت بہت پرانی ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے ان کی شکایت دُور نہ کی تو ہماری آیندہ نسلیں ہمارا مذاق اُڑائیں گی۔ ہم نے سات سال قبل غرناطہ پر صلیب کے پرچم نصب کیے تھے لیکن میں آج گورنر مینڈوزا اور فادر تلادیرہ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اس شہر میں اب تک کتنے مسلمانوں کو عیسائی بنایا گیا ہے، کتنے گرجے اور خانقاہیں تعمیر ہُوئی ہیں؟ ——— اور کیا ان لوگوں کو عیسائیت کے دامن میں پناہ دینا اور جہنّم کی آگ سے بچانا ہماری اوّلین ذمّہ داری نہیں؟"

فرڈی نینڈ نے جواب دیا " ملکۂ عالیہ! میں اپنی ذمہ داریوں سے غافل نہیں ہوں، مگر آپ کو یہ کیسے سمجھایا جائے کہ مسلمانوں کو غلام بنانے کے لیے صرف طاقت کی ضرورت تھی، لیکن انھیں عیسائی بنانے کے لیے حکمت اور دانائی کی ضرورت ہے ——— ان کی شاہرگ ہر وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، مگر ان کے دل مسخّر کرنے کے لیے ہمیں صبر اور حوصلے سے کام لینا پڑے گا۔"

زیمینیس کمرے میں داخل ہوا تو ملکہ نے مسند سے اُتر کر اُس کا استقبال کیا اور دو زانو ہو کر اس کی قبا کو بوسہ دیتے ہوئے بولی " مقدّس باپ! تشریف رکھیے!"

زیمینیس نے بے پروائی سے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھا اور مینڈوزا کے دائیں ہاتھ خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ملکہ دوبارہ مسند پر آ بیٹھی۔ چند ثانیے کمرے

میں خاموشی چھائی رہی۔ بالآخر فرڈی نینڈ نے کہا " مقدّس باپ! ملکۂ عالیہ کو یہ شکایت ہے کہ آپ غرناطہ کے گورنر اور آرک بشپ کی کارگزاری سے مُطمئن نہیں ہیں؟"

زیمینیس نے جواب دیا " عالیجاہ! مجھے غرناطہ کے گورنر کے کاموں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، لیکن میرے معزز بھائی تلادیرہ کلیسا سے تعلق رکھتے ہیں اور کلیسا کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں کسی معاملے میں کوئی مشورہ دینا چاہوں تو مجھے یقین ہے کہ وہ بُرا نہیں مانیں گے۔"

بشپ تلادیرہ نے جواب دیا " یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کلیسا کی بھلائی کے لیے کوئی نیک مشورہ دیں اور میں اس پر عمل نہ کروں؟"

زیمینیس نے فرڈی نینڈ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا " عالیجاہ! میں یہاں بہت بڑی امّیدیں لے کر آیا تھا، لیکن غرناطہ کے حالات دیکھ کر میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کلیسا نے آپ کی عظیم فتح کے ساتھ جو توقعات وابستہ کی تھیں وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہیں ——— اگر آپ غرناطہ میں مسلمانوں کی مساجد، درسگاہیں اور کتب خانے دیکھیں تو آپ کو یہ یقین نہیں آئے گا کہ یہ شہر بھی آپ کی سلطنت کا حصّہ ہے۔ اُن کی رسُومات، ان کی زبان اور رہن سہن کے طریقوں میں رتّی بھر تبدیلی نہیں آئی۔ اُن کے لباس دیکھ کر آپ کو یہ محسُوس ہوگا کہ وہ اب بھی غرناطہ کے حکمران ہیں۔ حکومت کی نازبرداری نے انھیں اس قدر مغرور کر دیا ہے کہ وہ کسی بڑے سے بڑے پادری کے سامنے بھی دو زانو ہونا پسند نہیں کرتے۔ میں فادر تلادیرہ کی شکایت نہیں کرتا، ان کا طرزِ عمل وہی ہوسکتا ہے جو حکومت کو پسند ہو لیکن عیسائیت کے ان باغیوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں کہ ان کی نازبرداری کی جائے اور اُن کے ساتھ بحث کرنے کے

لیے عیسائیت کے مبلغین کو عربی زبان سیکھنے کی ترغیب دی جائے —— مجھے یہ سُن کر بہت دُکھ ہوا کہ فادر تلاویرہ نے، جن پر ہر معاملے میں کلیسا کی برتری ثابت کرنے کا فرض عاید ہوتا ہے، اس بڑھاپے میں عربی زبان سیکھی ہے تاکہ وہ مسلمان علماء کے ساتھ بحث کر سکیں۔ میں عیسائیت کے معاملے میں ان لوگوں کو بحث کی دعوت دینا ایک گناہ سمجھتا ہوں ......

عالیجاہ!" اس نے اپنی بات جاری رکھی "یہودی اپنے گھروں میں عبرانی بولتے تھے اور گھروں سے باہر ہماری زبان میں گفتگو کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود ہمارے پادری انھیں دینِ مسیح کی برتری کا قائل نہ کر سکے۔ اگر اُن میں سے کوئی کسی لالچ میں آکر عیسائی ہو جاتا تھا، تو بھی اُس کی ساری ہمدردیاں اپنی قوم کے ساتھ ہوتی تھیں اور عیسائیت کے ساتھ اُس کا تعلق محض نمائشی ہوتا تھا۔ یہ آپ اور ملکہ عالیہ کا ایک عظیم کارنامہ تھا کہ غرناطہ کی جنگ سے فارغ ہوتے ہی آپ نے اس ملعون قوم کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اُن کے لیے اسپین چھوڑنے یا عیسائیت قبول کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔"

وہ تھوڑی دیر کے لیے رُکا اور پھر بولنے لگا "جو یہودی ملک چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں وہ کلیسا کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہیں اور جو کلیسا کو دھوکا دینے کے لیے عیسائی بن گئے ہیں، ان کی اندرونی شیطنت ختم کرنے کے لیے محکمہ احتساب موجود ہے۔ وہ کسی دن یا تو دل سے عیسائی ہو جائیں گے، ورنہ اُن کے لیے جو چتا محکمہ احتساب نے تیار کی ہے، وہ اس وقت تک جلتی رہے گی جب تک کہ اُن کا ایک ایک بچہ بھسم نہیں ہو جاتا، لیکن —— مسلمانوں کے متعلق آپ کا طرزِ عمل میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ وہ جس آزادی اور بے فکری کے دن گزار رہے ہیں، اس سے مجھے یہ خوف محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم نہیں

ہوں گے تو ہماری آیندہ نسلیں انھیں قابلِ نفرت سمجھنے کی بجائے کہیں اُن کے طور طریقے ہی اختیار نہ کر لیں۔"

فرڈی نینڈ نے ملکہ کی طرف دیکھا —— اُس کی نگاہیں زمینیس کی تائید کر رہی تھیں۔ پھر قدرے توقف کے بعد وہ زمینیس سے مخاطب ہوا "آپ کو یہ شکایت ہے کہ ہم نے یہودیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی جبراً عیسائی کیوں نہیں بنایا، لیکن آپ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسپین کے یہودی غیر مشروط طور پر ہماری رعایا تھے، لیکن جن مسلمانوں کی سلطنتوں پر ہم نے قبضہ کیا ہے ان کے ساتھ ہمارے اور اسپین کے سابق حکمرانوں کے تحریری معاہدے موجود ہیں۔ ان معاہدوں میں اس بات کا حلفیہ وعدہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جو حقوق اور مراعات دی گئی ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی اور ان میں سے بعض معاہدے تو ایسے بھی تھے جن کی توثیق پاپائے روم سے کرائی گئی تھی —— اہلِ غرناطہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا، ہم نے اس کی ہر شرط کا احترام کرنے کا حلف اُٹھایا تھا۔ اس معاہدے کو کلیسا کی تائید بھی حاصل تھی۔ ہمارے کسی بشپ کو اس پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ اب آپ ہمیں یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ ہم اپنے حلف نامے سے منحرف ہو جائیں —— اور اگر آپ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں کہ مستقبل کے مورخ ہمارے متعلق کیا کہیں گے تو بھی آپ کو اتنا ضرور سوچنا چاہیے کہ یہ بدعہدی مسلمانوں کے کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گی —— یہ قوم جس نے قریباً آٹھ سو سال اس ملک میں حکومت کی ہے، یہودیوں سے بہت مختلف ہے —— زخمی درندے کا آخری حملہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔ انھیں عیسائی بنانے کے لیے میں آپ سے کم بے چین نہیں ہوں، لیکن زخمی شیر کی کھال اُتارنے سے

پہلے آپ کو اُس کا جسم ٹھنڈا ہو جانے کا انتظار کرنا چاہیے۔"

زیمینیس نے کہا "عالیجاہ! جو قوم زندہ رہنے کے لیے ہماری غلامی قبول کر سکتی ہے، وہ موت سے بچنے کے لیے ہمارا دین بھی قبول کر سکتی ہے۔ آپ نے معاہدے کی شرائط کا ذکر کیا ہے، لیکن میں صرف یہ جانتا ہوں کہ غلامی ہمیشہ غیر مشروط ہوتی ہے اور بادشاہ اور رعایا کے درمیان جو معاہدے طے پا جاتے ہیں، ان کا مفہوم وہی ہوتا ہے، جسے بادشاہ درست تسلیم کرتا ہو ——— جہاں تک آپ کے حلفیہ اقرار کا تعلق ہے، پاپائے رُوم کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ کلیسا کی بہتری کے لیے آپ کو ہر ایسے حلف کی پابندی سے آزاد کر دے جو آپ کو دینِ مسیح کی خدمت سے روکتا ہو۔"

فرڈی نینڈ نے بیزار ہو کر کہا "میں ایسے لوگوں کو کیسے سمجھا سکتا ہوں جو سمندر میں تیرنے کی بجائے پانی کی سطح پر دوڑنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مسلمان یہودی نہیں ہیں۔ ان کی پشت پر وہ سلطنتیں موجود ہیں جو اسپین سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں۔ ہم نے تو ان سے غرناطہ کی سلطنت ہی چھینی ہے، ترک ہمارا نصف یورپ ہڑپ کر چکے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ ہم نے یہاں ایسے حالات پیدا نہیں ہونے دیے جن سے باہر کے مسلمانوں کو مداخلت کا موقع ملتا ——— ہم نے غرناطہ کے وہ اندرونی دشمن تلاش کر لیے تھے، جنھوں نے غرناطہ کی کُنجیاں ہمارے قدموں میں ڈھیر کر دی تھیں ——— ہم نے ابوعبداللہ کے وزیر سے وہ کام لیا تھا جو ہمارے لشکر سے ممکن نہ تھا۔ پھر آپ کو یہ بے اطمینانی تھی کہ ابوالقاسم بہت ہوشیار ہے اور مجھے بھی یہ خدشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے، لیکن اب کسی کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ وہ بھی کبھی زندہ

تھا ——— ملکہ کو یہ اعتراض تھا کہ ابوعبداللہ کی نیت کسی وقت بھی خراب ہو سکتی ہے اور البجارہ کے جنگجو قبائل کسی دن اچانک بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیں گے۔ مجھے بارہا فوج کشی کی ترغیب دی گئی تھی لیکن میں یہ جانتا تھا کہ البجارہ کی جنگ میں کتنے ہزار سپاہیوں کی قربانی دینا پڑے گی، بالخصوص اس صُورت میں جب کہ ہمیں ہر وقت ترکوں اور اہلِ بربر کی مداخلت کا خطرہ تھا۔ بحیرۂ رُوم میں ان کے جنگی بیڑے ہمارے ساحلی علاقوں میں تباہی مچا سکتے تھے لیکن آپ اس بات سے قطعاً خوش نہیں کہ ہمیں جنگ کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی؟"

فرڈی نینڈ نے ملکہ کے چہرے کا جائزہ لیا اور کہنے لگا "ابوعبداللہ کو البجارہ چھوڑنے کا فیصلہ کرنا پڑا اور اس کے بیرونی حامیوں کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ غرناطہ کی طرح البجارہ کے لوگ بھی ہماری بالادستی قبول کر چکے ہیں۔ اب ہمیں وہاں فوج رکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم وہاں مسلمانوں سے مسلمانوں کی جاسوسی کا کام لے رہے ہیں۔ طلیطلہ میں ہمارے کئی صلاح کار ایسے تھے جو ابوالقاسم کے اچانک غائب ہو جانے کے بعد بغاوت کا خطرہ محسُوس کرتے تھے، لیکن غرناطہ کے جو سرکردہ لوگ اب تک میرے پاس آئے ہیں، ان میں سے کسی نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ ابوالقاسم کہاں ہے اور البجارہ سے بھی ہمیں یہی اطلاعات ملی ہیں کہ لوگ اسے بھُول چکے ہیں...

میں یہ کہہ چکا ہوں کہ مسلمانوں کی شاہ رگ پر ہماری گرفت بتدریج مضبوط ہو رہی ہے لیکن ان کا گلا گھونٹنے یا ان کے ساتھ یہودیوں جیسا سلوک کرنے کے لیے آپ کو کچھ عرصہ اور انتظار کرنا پڑے گا۔ ہر کام کے لیے ہر وقت موزوں نہیں ہوتا۔"

زیمینیس نے لاجواب ہو کر کہا "عالیجاہ! اگر میں آپ کے تدبر کی تعریف

نہ کروں تو یہ ناشکر گزاری ہوگی ـــــ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ عیسائیت کی تبلیغ کے کام کو اور زیادہ موثر بنانے کی ضرورت ہے ـــــ میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم مسلمانوں کو مشتعل کر کے آپ کے لیے کوئی الجھن پیدا کریں، لیکن اگر ہم انھیں یہ احساس دلا سکیں کہ اب اپنا مستقبل اسلام کی بجائے عیسائیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں ان کا فائدہ ہے تو ہم بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

فرڈی نینڈ نے کہا "اگر آپ فادر تلاویرہ کو کوئی مفید مشورہ دے سکیں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔"

"عالیجاہ! اس نیک کام میں فادر تلاویرہ کے ایک معاون کی حیثیت سے میں کچھ عرصہ یہیں رہنا چاہتا ہوں۔"

تلاویرہ نے کہا "آپ کی رفاقت میرے لیے باعثِ سعادت ہوگی۔"

بادشاہ نے ملکہ کی طرف دیکھا تو وہ بولی "ہمیں فادر زیمینیس کی یہ درخواست رد نہیں کرنی چاہیے۔ غرناطہ کے کئی راہبوں نے مجھ سے ملاقات کی ہے کہ فادر تلاویرہ کی کوششوں کو کامیاب کرنے کے لیے فادر زیمینیس جیسے بزرگ کی نیک دعاؤں کی بے حد ضرورت ہے ـــــ میرا خیال ہے کہ کاؤنٹ آف ٹنڈیلا کو بھی ان کے یہاں ٹھہرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

گورنر نے بجھی ہوئی آواز میں جواب دیا "مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

فرڈی نینڈ نے کچھ سوچ کر کہا "فادر زیمینیس! میں آپ کی یہ خواہش رد نہیں کر سکتا، لیکن آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ جلد بازی سے کام لے کر میرے لیے ایسے حالات پیدا نہیں کریں گے کہ مجھے فوج کے ساتھ

یہاں آنا پڑے۔"

زیمینیس نے جواب دیا "عالیجاہ! اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں، تو میں اسی وقت واپس جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں طلیطلہ کے بشپ کے عہدے سے بھی مستعفی ہو جاؤں گا۔"

ملکہ ازابیلا نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا "نہیں! نہیں!! مقدس باپ!!! ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"فادر زیمینیس!" فرڈی نینڈ نے کہا "اگر آپ یہاں رہ کر دین کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں تو میں آپ کو منع نہیں کر سکتا، لیکن آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اندلس کی خوشحالی کا زیادہ دارومدار ان مسلمانوں پر ہے۔ ہماری کاشتکاری، ہماری صنعت اور ہماری تجارت کی ترقی انھی کی محنت کا پھل ہے یہ جس جگہ آباد ہوتے ہیں، وہاں بنجر زمینیں لہلہاتے کھیتوں اور باغوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اگر آپ ان لوگوں کو پُرامن طریقوں سے عیسائیت کی طرف راغب کر سکیں تو مجھے خوشی ہوگی ـــــ اب تک غرناطہ اور البجارہ سے ہزاروں لوگ ہجرت کر چکے ہیں اور جو لوگ یہاں رہ گئے ہیں، میں انھیں اپنی سلطنت کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہوں۔ اگر انھوں نے کسی بات سے خوف زدہ ہو کر ملک سے بھاگنا شروع کر دیا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔ سلطنت کے قلاش ہو جانے سے کلیسا مضبوط نہیں ہو سکتا۔"

"عالیجاہ! میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد یہ مجلس برخواست ہو چکی تھی اور فرڈی نینڈ اپنی ملکہ سے کہہ رہا تھا "میں آپ کی خواہش رد نہیں کر سکتا تھا۔ خدا کرے زیمینیس آپ کی نیک توقعات پورا کر سکے، لیکن میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔"

○

عام حالات میں شاید کلیسا کے کسی اہل کار کو فرڈی نینڈ کے احکام سے سرتابی کی جرأت نہ ہوتی، لیکن ملکہ ازابیلا پر زمینیس کی پارسائی کا رُعب چھایا ہوا تھا اور غرناطہ کے حکام کی طرح کلیسا کے راہب بھی یہ جانتے تھے کہ اہلِ قسطلہ حکومت کے اختیارات میں اپنی ملکہ کو ارغون کے بادشاہ کے ساتھ صرف مساوی حیثیت ہی نہیں دیتے بلکہ ایک طاقت ور حلیف سمجھتے ہیں اور اُس کی نازبرداری کے بغیر فرڈی نینڈ نصرانی سلطنت کے دو اہم حصّوں کو متحد نہیں رکھ سکتا۔

اگر ارغون کا بادشاہ ایک ہوشیار سیاست دان اور کامیاب سپاہی تھا تو قسطلہ کی سلطنت جو اسے ازابیلا کا شوہر ہونے کی وجہ سے ملی تھی اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے ارغون کی نسبت بڑی تھی۔ فرڈی نینڈ حتی الامکان ازابیلا کے جذباتی فیصلوں کی مخالفت کرتا، لیکن اگر کسی مسئلہ میں ملکہ کا اصرار حد سے بڑھ جاتا تو اس کی یہی کوشش ہوتی کہ ملکہ کے ساتھ تصادم کی صورت پیدا نہ ہو۔

چند دنوں تک زمینیس نے کسی پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ مسلمانوں کے متعلق اس کے ارادے کیا ہیں۔ وہ بظاہر ٹھنڈے دل سے گردوپیش کے حالات کا مشاہدہ کر رہا تھا، لیکن جب فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے غرناطہ سے اشبیلیہ کی طرف کوچ کیا تو اس نے بشپ تلاویرہ کی طرف سے مسلمان علماؔ اور فقہاؔ کو یہ دعوت دی کہ ہمارے ایک قابلِ احترام بزرگ "فرانسسکو زمینیس ڈی سسنیروز" آپ کے ساتھ تبادلۂ خیالات کرنا چاہتے ہیں، اس لیے

آپ پرسوں صبح ہوتے ہی ان کی قیام گاہ پر جمع ہو جائیں۔"

چنانچہ تیسرے دن بزرگانِ دین، زمینیس کی قیام گاہ کے کشادہ صحن میں سائبان کے نیچے جمع ہو رہے تھے۔ تلاویرہ نے باری باری اُن کا تعارف کروایا اور زمینیس نے ان کا خیر مقدم کرنے کے بعد بحث شروع کر دی۔

اہلِ غرناطہ تلاویرہ کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے باتیں کرنے کے عادی تھے، لیکن زمینیس کی گفتگو نے انھیں جلد ہی یہ احساس دلا دیا کہ وہ کسی اور ہی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ دینِ اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی برتری ثابت کرنے پر زور دے رہا تھا اور اس کی زبان سے آگ برس رہی تھی ——— عمر رسیدہ علماؔ کبھی اس کی یاوہ گوئی پر پیچ و تاب کھاتے، کبھی اُس کے بھونڈے انداز پر مسکرانے کی کوشش کرتے اور کبھی نفرت سے مُنہ پھیر لیتے، لیکن کسی نے اس کے ساتھ بحث میں اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ——— حاضرین میں سے اکثر ایسے تھے جو طلیطلہ کی زبان بہت کم جانتے تھے تاہم اُس کی گالیاں اور دھمکیاں کسی کی سمجھ سے بالا نہ تھیں۔ زمینیس اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد نڈھال ہو کر بیٹھ گیا اور فاتحانہ نگاہوں سے حاضرین کی طرف دیکھنے لگا۔

چند منٹ محفل پر سناٹا طاری رہا۔ پھر آہستہ آہستہ گنگ زبانیں ہلنے لگیں اور ایک دوسرے کو بے حسی اور بے غیرتی کے طعنے دینے لگے۔ تلاویرہ نے آگے بڑھ کر زمینیس کے کان میں کچھ کہا اور وہ تلملا کر بلند آواز میں چلایا "نہیں! میں اپنی زبان میں ہی بات کروں گا، اور جو لوگ ہماری زبان نہیں جانتے، ان کے لیے اسپین میں کوئی جگہ نہیں" ———

ایک خوبرو نوجوان جو اپنے رنگ اور خدوخال سے ہسپانوی معلوم ہوتا تھا، تڑپ کر اُٹھا اور اس نے طلیطلہ کی زبان میں تقریر شروع کر دی۔

اس شعلہ بیان خطیب کا نام زلغیری تھا اور زیمینیس اس کی تقریر سُن کر آگ کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اس نے کئی بار اس کو ٹوکنے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز اسلام کے اس پرجوش مبلغ کی آواز میں دب کر رہ گئی۔

جب اس کا جوش ذرا ٹھنڈا ہوا تو زیمینیس دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے چلایا "تم ایک ایسے مذہب کی وکالت کر رہے ہو جس کے لیے اندلس میں کوئی جگہ نہیں۔ عیسائیت کی صداقت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ ہم فاتح ہیں اور تمھارا دین تمھیں ہماری غلامی سے نہیں بچا سکا۔"

زلغیری نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "ہمیں اسلام سے انحراف کی سزا ملی ہے ——— ہم نے سلامتی کا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر چلتے تھے تو اس خطۂ زمین پر انسانیت کی ساری عظمتیں ہمارے قدموں میں تھیں۔ ہماری آزادی اور خوشحالی کی داستانیں اندلس کے کونے کونے میں بکھری ہوئی ہیں لیکن ہم اپنے خالق کے نافرمان بن گئے، تو وقت کی آندھیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اپنی عظیم سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی ہماری سزا شروع ہو چکی تھی۔ ہم نے شہادت کی موت پر غلامی کی زندگی کو ترجیح دی اور آج ہماری بےبسی کا یہ عالم ہے کہ ہم گالیاں دینے والوں کے سامنے احتجاج کا حق بھی نہیں رکھتے۔"

زیمینیس نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "میں ایک جذباتی نوجوان کے ساتھ بحث میں اُلجھنا پسند نہیں کرتا۔ تم تھوڑی دیر صبر کرو۔ تمھارے ساتھیوں سے فارغ ہو کر میں اطمینان سے تمھارے

ساتھ گفتگو کر سکوں گا۔"

ایک قاضی نے اُٹھ کر کہا "جناب! اگر آپ کو اس نوجوان کی باتوں سے رنج ہوا ہے تو ہم سب کی طرف سے معذرت قبول فرمائیے! آئندہ ہم آپ کی خدمت میں پیش ہونے والے علماء کے انتخاب میں زیادہ احتیاط سے کام لیں گے۔ ہمارا خیال تھا کہ زلغیری بحث میں حصہ لینے کی بجائے خاموشی سے آپ کے ارشادات سُنے گا۔"

زلغیری نے جواب دیا "آپ کو معذرت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو میں سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

زیمینیس نے اس تندرست اور توانا جوان پر قہر آلود نگاہ ڈالی اور ایک عالم نے اس کا بازو کھینچ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے دبی زبان میں کہا: "خدا کے لیے خاموش رہو! یہ ایک درندہ ہے اور درندوں کے ساتھ بحث نہیں کی جاتی۔"

زیمینیس نے دوبارہ گفتگو شروع کی تو اس کے لب ولہجے میں کافی ملائمت آ چکی تھی اور غرناطہ کے علماء اس بات سے خوش نظر آتے تھے کہ ان کے ایک نوعمر ساتھی نے جرأت سے کام لے کر ایک متعصب پادری کا دماغ درست کر دیا ہے لیکن جب مجلس برخاست ہوئی تو زیمینیس نے ایک دیوہیکل سپاہی کو اشارہ کیا اور اس نے زلغیری کو روک لیا۔

زلغیری نے کترا کر باہر نکلنے کی کوشش کی، لیکن اس نے اس کا بازو پکڑ کر کہا "تم مقدس باپ کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے۔" بعض ساتھیوں نے زیمینیس سے اس کی سفارش کی، لیکن اس کی ڈانٹ ڈپٹ سُن کر وہ سب باہر نکل گئے۔

زیمینیس نے زلغیری کا دماغ ٹھکانے لگانے کے لیے جس درندہ صفت آدمی کو منتخب کیا، اُس کا نام لیون تھا اور وہ اذیت رسانی کے ان سب طریقوں سے واقف تھا جو محکمۂ احتساب کے جلادوں نے ایجاد کیے تھے۔

اُس نے زلغیری کی سزاؤں کی ابتدا مسلسل بھوک، پیاس اور کوڑوں کی جسمانی اذیتوں سے کی، اسے رات رات بھر ٹھنڈے فرش پر لٹایا جاتا اور ——— ایسے نوکر اس کے اوپر مقرر کیے جاتے جو اسے لمحہ بھر کے لیے بھی نہ سونے دیتے۔

اور پھر عبادات کے تیسرے پہر اُس کی دل ہلا دینے والی چیخیں زمین و آسمان کو لرزاتیں تو سوائے ان راہبوں کے قہقہوں کے ——— اُس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں اس کا ساتھ دینے والا اور کوئی نہ ہوتا۔

بالآخر جب دو ہفتے بعد اسے زیمینیس کے سامنے پیش کیا گیا ——— اُس وقت وہ ہڈیوں کا ڈھانچا بن چکا تھا، اُس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور اُس کے جسم کے زخموں سے پیپ کی بُو آ رہی تھی۔

زیمینیس کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اس نے کہا "مجھ سے بحث کرو گے؟"

"نہیں!" زلغیری نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم نے سنا تھا کہ تم بہت بہادر ہو؟"

"میں قتل ہونے کے لیے تیار ہوں۔ اگر آپ میرے لیے پھانسی کا حکم دیں تو اسے بھی میں ایک احسان سمجھوں گا لیکن یہ سزا میری قوتِ برداشت سے

بہت زیادہ ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں بزدل ہوں۔"

"لیکن تم ابھی تک مسلمان ہو؟"

زلغیری نے سر جھکا لیا اور لیون نے کہا "مقدس باپ! یہ توبہ کر چکا ہے۔ یہ دینِ مسیح کا ایک معجزہ ہے کہ میری محنت رائگاں نہیں گئی۔"

زیمینیس نے جواب طلب نگاہوں سے زلغیری کی طرف دیکھا اور اُس نے شکست خوردہ لہجے میں کہا "جناب! اگر آپ ہمارے ساتھ یہی سلوک کریں گے تو غرناطہ کی چار دیواری کے اندر کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ برداشت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ معجزہ تو یہ ہے کہ میں اب تک زندہ ہوں۔"

"تمھاری جسمانی تکالیف کے دن گزر چکے ہیں۔ اب تمھیں خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ ہم نے تمھاری روح کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا ہے۔"

زلغیری نے جواب دیا "اب میرے لیے خوشی اور غم کے الفاظ بے معنی ہیں۔ میں ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دوزخ کا عذاب دیکھ چکا ہوں اور یہ نہیں چاہتا کہ دوبارہ مجھے وہاں بھیج دیا جائے۔"

زیمینیس نے لیون سے مخاطب ہو کر کہا ——— "اسے لے جاؤ! بہترین کھانا دو اور علاج کے لیے کسی اچھے طبیب کا انتظام کرو، لیکن اصطباغ لینے سے پہلے اسے کسی مسلمان سے ملاقات کی اجازت نہیں۔"

زلغیری نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا "اگر اصطباغ لینے کے بعد میں جی بھر کر سو سکوں تو میں آج ہی تیار ہوں۔"

"نہیں! میں یہ چاہتا ہوں کہ جن لوگوں کی موجودگی میں تم نے ہمارے ساتھ بحث کی تھی وہ اپنی آنکھوں سے دینِ مسیح کی کرامت دیکھیں۔ لیکن اس حالت میں تمھیں اُن کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اب جا کر آرام

کرو اور لیون کو اپنا خدمت گار سمجھو۔"

ایک ہفتے بعد زمینیس، زلیفری کو اصطباغ دے رہا تھا ——— اور غرناطہ کے علماء جنھیں اُس نے ایک معجزہ دکھانے کے لیے اپنے ہاں جمع ہونے کی دعوت دی تھی، سکتے کے عالم میں یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

بپتسمے کی رسم پوری ہوئی تو راہبوں نے ایک گیت شروع کر دیا۔ زمینیس کا اشارہ پا کر زلیفری بھی ان کے ساتھ مُنہ ہلانے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اس کے حلق میں آواز نہ تھی۔ ستم رسیدہ اور مجروح انسانیت کی آخری چیخ اُس کے سینے میں دب کر رہ گئی تھی اور اس کی نگاہیں اپنے بھائیوں کو یہ پیغام دے رہی تھیں "میرے عزیزو! میری طرف مت دیکھو۔ میں مر چکا ہوں اور میرا جسم میری روح کی قبر بن چکا ہے۔ میں نے ذلت کے راستے پر قدم اُٹھانے میں پہل کی ہے۔ تم میرے مُنہ پر تھوک سکتے ہو، لیکن کاش! تم میرے زخم بھی دیکھ سکتے۔ تم مجھے بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دے سکتے ہو، لیکن تم میں سے کون ہے جس نے رات کے پچھلے پہر میری چیخیں سنی ہیں اور میری جسمانی اور ذہنی اذیتوں کا اندازہ کر سکتا ہے ——— میرے بزرگو! ہم سب مر چکے ہیں۔ ہم اسی دن مر گئے تھے جب ہم ظلم کے خلاف لڑنے کے حق سے دست بردار ہو گئے تھے، جب حامد بن زہرا قتل ہوا تھا اور ہم نے دشمن کے لیے اپنی آزادی کے آخری حصار کے دروازے کھول دیے تھے" ———

پھر جب زمینیس نے تقریر شروع کی تو اس کا لب و لہجہ پہلے سے کہیں زیادہ سخت تھا اور اُس کی گالیاں سُننے والوں کا احتجاج صرف بے بسی کے آنسوؤں تک محدود تھا۔

راہبوں کی سلطنت

اگلے دن غرناطہ کا گورنر اور آرک بشپ زمینیس کو یہ سمجھا رہے تھے کہ آپ کو اس قدر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے نتائج بہت خطرناک ہو سکتے ہیں، لیکن اس جنونی راہب کا ایک ہی جواب تھا:

"حکومت سیاسی معاملات میں مصلحت سے کام لے سکتی ہے لیکن مذہب کے معاملات میں کوئی تاخیر برداشت نہیں کی جا سکتی۔"

اور دو دن بعد زمینیس نے راہبوں کے ایک گروہ کے ساتھ البسین کا رُخ کیا۔ گورنر کی طرف سے دو سو مسلح سپاہی جلوس کی حفاظت پر متعین تھے۔ وہ البسین کی جامع مسجد میں داخل ہوا اور پہرے داروں نے بد امنی کے اندیشہ سے دروازے کے سامنے صفیں باندھ لیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد یہ خبر غرناطہ کے طول و عرض میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ خانۂ خدا کو گرجا بنا دیا گیا ہے اور منبر کی جگہ عیسٰیؑ اور مریمؑ کے بُت نصب کر دیے گئے ہیں۔

گورنر نے بد امنی کے پیشِ نظر مسلح سواروں کے مزید دستے بھیج دیے۔ جن سر پھروں نے مسجد تک پہنچنے کی کوشش کی وہ اپنے راستے میں نیزوں کی دیواریں دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے۔

مسجد پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی زمینیس نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی مہم نئے جوش و خروش کے ساتھ شروع کر دی۔ ایک دن راہبوں نے پولیس کی مدد سے ہسپانوی نسل کے مسلمانوں کی آبادی پر چھاپہ مارا اور ایک ہزار آدمیوں کو گھروں سے نکال کر زمینیس کے سامنے لے گئے اور پھر انھیں ننگی تلواروں کے پہرے میں اصطباغ دیا جا رہا تھا۔

چند آدمیوں نے احتجاج کیا تو کلیسا کے سپاہی انھیں پکڑ کر قید خانوں میں لے گئے اور ان کے ساتھیوں کو زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوئی، اور اس کے بعد وہ شرمناک واقعات پیش آئے جن کا ذکر کرتے ہوئے یورپ کے عیسائی مورخ بھی ندامت محسوس کرتے ہیں۔



زمینیس کے نزدیک مسلمانوں کے علمی ذخیرے عیسائیت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھے اور یہ ایک ایسا ورثہ تھا جس پر مسلمان ناز کر سکتے تھے ــــــ قدیم سرکاری کتب خانے اور درسگاہیں نایاب کتابوں سے بھری ہوئی تھیں اور غرناطہ کا معمولی آدمی بھی اس بات پر فخر کر سکتا تھا کہ اس کے گھر میں قرآن پاک کے علاوہ مختلف علوم پر کئی کتابیں موجود ہیں۔

زمینیس قرآن پاک کی طرح عربی زبان کی ہر کتاب کو عیسائیت کے مستقبل کے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔ چنانچہ اُس نے کتابوں کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کرنے کے لیے سب سے پہلے ان لوگوں کی طرف توجہ دی جنھیں جبراً عیسائی بنایا گیا تھا، اور انھیں یہ حکم دیا کہ وہ عربی کی ہر کتاب کلیسا کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ جس مجبوری نے ان بدقسمت لوگوں کو مرتد ہونے پر مجبور کر دیا تھا

اسی مجبوری کے تحت انھیں زمینیس کے اس حکم کی تعمیل بھی کرنی پڑی۔

پھر جو کتابیں اُن سے دستیاب ہوئیں، انھیں ایک چوراہے میں جمع کر کے آگ لگا دی گئی اور ان واقعات کے بعد زمینیس کی جرأت بڑھتی گئی۔ غرناطہ کا گورنر زمینیس کی اس کارگزاری سے خوش نہ تھا لیکن اسے ایک ایسے آدمی کو ناراض کرنے کی جرأت نہ تھی جسے ملکہ ازابیلا کی حمایت حاصل تھی۔ وہ فرڈی نینڈ کے سامنے اپنے دل کی بھڑاس تو نکال سکتا تھا لیکن وہ یہ بھی بخوبی سمجھتا تھا کہ طلیطلہ کی ملکہ کو ناراض کرنے کے بعد وہ محض فرڈی نینڈ کی حمایت کے بل بوتے پر غرناطہ کا گورنر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ وہ حکومت کے سول اور فوجی افسروں سے کہا کرتا تھا:

"میں جانتا ہوں کہ یہ ضدی راہب آگ سے کھیل رہا ہے لیکن وہ ملکہ کا خاص آدمی ہے اور اُس کے ساتھ تعاون اور اس کی حفاظت کرنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔"

چنانچہ جب زمینیس نے جبراً عیسائی بنائے گئے مسلمانوں کے کتب خانوں اور ان کے گھروں کی تلاشی لینا شروع کی تو فوج اور پولیس کو کلیسا کے پادریوں کی اعانت کے لیے میدان میں آنا پڑا۔ پہلے ڈھنڈورچی کسی محلے میں یہ اعلان کرتے تھے کہ لوگ رضاکارانہ طور پر اپنی کتابیں کلیسا کے پاس جمع کر دیں صرف قابلِ اعتراض کتابیں چھین لی جائیں گی اور باقی انھیں واپس کر دی جائیں گی۔ فلاں تاریخ کے بعد اُن کی تلاشی لی جائے گی اور اگر کسی نے کلیسا کی اجازت کے بغیر کوئی کتاب رکھی تو اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

لوگوں نے ہزاروں کتابیں رضاکارانہ طور پر کلیسا کے راہبوں کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہزاروں کتابیں ان سے زبردستی چھین لی گئیں

جب یہ راہب مسلح آدمیوں کے ساتھ کسی گھر میں داخل ہوتے تھے تو مسلمان سب سے پہلے قرآن مجید کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے، لیکن یہی وہ کتاب تھی جسے زیمینیس سب سے زیادہ قابلِ اعتراض سمجھتا تھا۔

مسلمان احتجاج کرتے، لیکن یہ احتجاج بھی عورتوں کی چیخوں اور مردوں کے آنسوؤں تک محدود رہتا۔ قرآن مجید کے جو نسخے فرزندانِ تثلیث کے ہاتھ آتے، انھیں بیل گاڑیوں پر لاد کر ایک کشادہ عمارت میں پہنچا دیا جاتا جو پہلے مسلمانوں کی درسگاہ تھی اور اب کلیسا کے اُس دفتر میں تبدیل ہو چکی تھی جہاں سینکڑوں پادریوں کو ان کتابوں کی چھان بین میں مصروف رکھا جاتا تھا۔

زیمینیس بذاتِ خود اس کام کی نگرانی کیا کرتا تھا۔ قرآنِ پاک کو عام کتب سے علیحدہ کرنا ان کے لیے مشکل نہ تھا۔ پادری کسی کتاب کو کھول کر دیکھنے یا پڑھنے کی بجائے دُور سے اس کا صاف ستھرا غلاف دیکھ کر ہی یہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ قرآن ہے اور اسے ایک طرف پھینک دیا جاتا تھا۔ باقی کتابوں کے متعلق بھی انھیں کسی چھان بین کی ضرورت نہ تھی۔

ان کے نزدیک عربی خالصتاً مسلمانوں کی زبان تھی اور عربی کی ہر کتاب قابلِ اعتراض سمجھی جاتی تھی۔

ہر روز طلوعِ سحر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کتابوں سے بھرے ہوئے چھکڑے اس جگہ لائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ اس کشادہ عمارت کے کمروں کے علاوہ صحن میں بھی انبار لگ چکے تھے۔



اور پھر، ایک دن لوگوں نے دیکھا ——— شہر کے ایک کشادہ

چوراہے پر ایک مہیب الاؤ روشن ہو گیا تھا ———

——— قرآنِ پاک اور دوسری کتابوں سے لدے پھندے چھکڑے یکے بعد دیگرے نمودار ہو رہے تھے اور وہ اپنا یہ سامان اس الاؤ کے قریب لا لا کر ڈھیر کر رہے تھے۔

اور آخر میں وہ پادری آگے بڑھے جن کی حفاظت کے لیے مسلح سپاہی صفیں باندھے کھڑے تھے ——— وہ ان ڈھیروں کو اُٹھا اُٹھا کر اس آگ کا پیٹ بھرنے لگے۔

مسلمان، جنھیں گھروں سے نکلنے کی اجازت نہ تھی ——— اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے یہ دلگداز مناظر دیکھ رہے تھے۔ دُخترانِ اسلام اپنے بال نوچ رہی تھیں۔ ان کے شوہر اور بھائی رو رہے تھے، لیکن بے بسی کے آنسو اس آگ کو نہ بُجھا سکے ——— آٹھ صدیوں کے تہذیب و تمدن کی

یہ چِتا مسلسل دو دن جلتی رہی ———

تیسرے روز ایندھن کے ذخائر جو کئی ہفتوں کی محنت سے جمع کیے گئے تھے، ختم ہو چکے تھے اور آگ جلانے والے پادری اور مسلح سپاہی اپنا کام ختم کر کے واپس چلے گئے تو پہلے آس پاس کے مسلمان اپنے گھروں سے باہر نکلے اور پھر شام تک غرناطہ کے باقی علاقوں کے باشندے بھی وہاں جمع ہو چکے تھے۔ وہ بجھی ہوئی راکھ اُٹھا اُٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

ایک نوجوان چلّایا "مسلمانو! یہ ظلم و دہشت کے اس دور کی ابتدا ہے، جس سے تمھیں حامد بن زہرا نے خبردار کیا تھا۔ ہمارا عذاب شروع ہو چکا ہے۔ تمھارے سامنے قرآن جلایا گیا ہے، لیکن راکھ کے اس انبار کو دیکھ کر

یہ مت سمجھو کہ کلیسا کی آگ بجھ چکی ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اب اندلس کے ہر شہر میں ایسے الاؤ جلائے جائیں گے اور تم نے جس بے بسی کی حالت میں اللہ کی کتاب کو جلتا دیکھا ہے، اس سے کہیں زیادہ بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں تمھاری بیٹیاں اپنے بھائیوں اور شوہروں، اور تمھارے معصوم بچے اپنے والدین کو آگ میں بھسم ہوتا دیکھیں گے۔"



اگلی صبح الحمرا کے ایک کمرے میں غرناطہ کا آرک بشپ تلاویرہ اور گورنر مینڈوزا کاؤنٹ آف ٹنڈیلا گزشتہ رات کے واقعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ بشپ تلاویرہ کہہ رہا تھا "جناب! آپ کا پیغام ملتے ہی میں فادر زیمینیس کے پاس گیا تھا، لیکن وہ سو رہے تھے۔ ان کے نوکر کہتے تھے کہ وہ تھکاوٹ سے چُور ہو کر گھر آئے تھے اور کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے تھے۔ میں انھیں تاکید کر آیا تھا کہ وہ اُٹھتے ہی یہاں پہنچ جائیں، اور میرا خیال تھا کہ اب تک وہ آپ سے ملاقات کر چکے ہوں گے۔"

مینڈوزا نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ وہ سو رہے تھے، ورنہ اگر وہ شہر کے حالات سے باخبر ہوتے تو ہمارے لیے کوئی اور مصیبت کھڑی کر دیتے!"

کچھ دیر کمرے میں خاموشی طاری رہی، پھر مینڈوزا نے کرسی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

ایک افسر کمرے میں داخل ہوا "جناب! فادر زیمینیس تشریف لا رہے ہیں۔"

کاؤنٹ آف ٹنڈیلا اپنی کرسی پر بیٹھ کر بشپ تلاویرہ سے مخاطب ہوا:

"میرے خیال میں اُن سے بحث کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ بدقسمتی سے بادشاہ سلامت اور ملکہ عالیہ اشبیلیہ سے طلیطلہ روانہ ہو چکے ہیں ورنہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی کوشش کرتا۔"

زیمینیس کمرے میں داخل ہوا اور اس نے کہا "معاف کیجیے! میں آج بہت دیر سویا ہوں ——— اگر کوئی ضروری بات تھی تو فادر تلاویرہ کو چاہیے تھا کہ مجھے جگا دیتے۔"

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟" مینڈوزا نے سوال کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے سر سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر چکا ہے۔"

گورنر نے کہا "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ کی ان تھک کوششوں سے جو الاؤ تیار ہوا تھا، وہ بہت بڑا تھا۔ میں الحمرا سے آگ کے شعلے دیکھ سکتا تھا۔"

"جناب! کلیسا کی یہ کامیابی آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ میں ملکہ کو لکھ رہا ہوں کہ میں آپ کے ہر سپاہی کو انعام کا مستحق سمجھتا ہوں لیکن ابھی میرا کام ختم نہیں ہوا۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمانوں نے بعض کتابیں چھپا کر رکھی ہیں۔ کئی گھر ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جن میں ابھی تک قرآن کی جلدیں موجود ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسی طرح تعاون کرتے رہے تو جب بادشاہ اور ملکہ دوسری مرتبہ یہاں تشریف لائیں گے تو میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکوں گا کہ اب غرناطہ میں عربی زبان کی کوئی کتاب باقی نہیں رہی۔"[1]

---

[1] دورِ حاضر کا ایک مؤرخ ہنری کامان HENRY KAMAN اپنی تصنیف (باقی اگلے صفحہ پر)

میڈوزا نے جواب دیا " آپ سے تعاون کرنا میرے لیے ایک مجبوری ہے "

زمینیس بولا " آپ اس بات سے خوش نہیں معلوم ہوتے ——— آپ کو یہ اعتراض تھا کہ میں جلد بازی سے کام لے رہا ہوں، لیکن میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ محض ایک فرضی خطرے سے پریشان تھے ——— ہم نے صرف ان کی کتابیں ہی نہیں جلائیں بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ ہمارے مذہب کو ان کے مذہب پر برتری حاصل ہو چکی ہے۔ جو کتابیں انھوں نے چھپا رکھی ہیں، ان کے متعلق میں قطعاً پریشان نہیں ہوں ——— آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ اُن کی مدافعانہ قوت ختم ہو چکی ہے۔ اب ہم اطمینان سے ہر آدمی کی تلاشی لے سکتے ہیں اور ہمارے پادریوں کو اُن کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے فوج اور پولیس کے تعاون کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ غرناطہ کے مسلمان ہمارے راستے کا آخری پتھر تھے اور ان کی مزاحمت کے خوف سے ہمارے حکمرانوں کو ان ریاستوں میں بھی عیسائیت کے غلبہ کے لیے کوئی پُرجوش قدم اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی، جو ہم نے صدیوں قبل فتح کی تھیں لیکن میں نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ غلطی پر تھے ...."

(بقیہ فٹ نوٹ) SPANISH INQUISITION میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ زمینیس کے حکم سے غرناطہ میں دس لاکھ پانچ ہزار کتابیں نذرِ آتش کی گئی تھیں ——— صرف طب، ریاضی، کیمیا اور دوسرے سائنسی علوم پر تین سو کتابیں ایسی تھیں جنھیں اس تنگ نظر راہب نے عیسائیوں کے لیے سُود مند سمجھ کر القلعہ یونیورسٹی کے سپرد کر دیا تھا۔

اندلس کے مسلمانوں کو اپنے ماضی پر فخر تھا، وہ ان کتابوں کو سینے سے لگائے ہوئے تھے جس کی بدولت اپنے ماضی کے ساتھ ان کے رشتے قائم رہ سکتے تھے لیکن ہم نے یہ رشتے توڑ دیے ہیں۔ ان کا غرور اُسی الاؤ کی راکھ کے نیچے دفن ہو چکا ہے، جہاں ہم نے ان کے قرآن جلائے ہیں۔"

میڈوزا نے کہا " آپ نے راکھ کا وہ انبار دیکھا ہے؟"

"ہاں! میں شام تک وہیں تھا۔ آگ بُجھ چکی تھی، لیکن راکھ ابھی تک گرم تھی۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ جب رات کے وقت آپ گہری نیند سو رہے تھے تو مسلمان کیا کر رہے تھے؟"

"میں نے کسی سے یہ نہیں پوچھا۔ میں بستر سے اُٹھتے ہی سیدھا آپ کے پاس آ گیا ہوں، لیکن مجھے یقین ہے کہ شہر میں بد امنی نہیں ہوئی۔"

"میں نے یہ اطلاع دینے کے لیے آپ کو یہاں بلایا تھا کہ جب تھکے ہوئے سپاہی وہاں سے ہٹ گئے تو مسلمان گھروں سے نکل کر چوراہے میں آ گئے تھے اور پھر صبح ہونے سے قبل راکھ کا انبار وہاں سے غائب ہو چکا تھا۔"

" راکھ کا انبار غائب ہو چکا تھا؟" زمینیس نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا " یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"آپ خوش قسمت ہیں کہ جب سارے شہر میں کہرام مچا ہوا تھا اور میرے پاس ایک ایک پل کی خبریں آ رہی تھیں تو آپ اور آپ کے پادری آرام سے سو رہے تھے۔"

"اگر انھوں نے کوئی فساد کیا تھا تو فوج انھیں آسانی سے کچل سکتی تھی۔"

"انھوں نے کوئی فساد نہیں کیا اور آپ نے فوج کو اس قدر تھکا دیا تھا

کہ اگر کوئی بدامنی ہوتی تو بھی وہ کچھ نہ کر سکتے ______"

"تو پھر آپ کس بات سے پریشان ہیں؟"

"میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ مہیب الاؤ جو آپ نے روشن کیا تھا بجھ چکا ہے اور جب آپ آرام کی نیند سو رہے تھے تو مسلمان اپنی کتابوں کی راکھ اُٹھا کر دریا کا رُخ کر رہے تھے اور صبح تک وہ ساری راکھ دریا میں بہا چکے تھے لیکن جو آگ اُن کے سینوں میں سلگ رہی ہے، میں یہاں بیٹھے بیٹھے اس کی حرارت محسوس کر رہا ہوں اور میں اس لیے پریشان ہوں کہ اسے بجھانے کی ذمہ داری تنہا میرے سر ڈال دی جائے گی۔"

زیمینیس نے اپنے اضطراب پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "شہر کے محافظوں نے انھیں اس بات کی اجازت دی تھی کہ وہ راکھ اُٹھا کر دریا کی طرف لے جائیں!"

"شہر کے محافظوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ ہزاروں انسانوں کا راستہ نہیں روک سکتے جو زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے ______ شہر کو بدامنی سے بچانا ان کی پہلی ذمہ داری تھی۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کسی ہوشیار راہنما نے مسلمانوں کے اشتعال سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہیں کی، ورنہ مجھے انتہائی خطرناک حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اب بھی مجھے معلوم نہیں کہ آپ میرے لیے کتنے اور مسائل پیدا کریں گے اور کوہستانی قبائل میں اس واقعہ کا ردِ عمل کتنا شدید ہوگا۔ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگ دریا سے واپس آنے کی بجائے البشارہ کی طرف نکل گئے ہیں۔ اب سلطنت پر آپ کا سب سے بڑا احسان یہی ہو سکتا ہے کہ آپ چند دن اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ بادشاہ اور ملکہ آپ کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن وہ یہ پسند نہیں

کریں گے کہ انھیں ایک جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔"

"جناب! کلیسا کے خادم اپنے عیسائی حکمرانوں کے دشمن نہیں ہو سکتے۔ آپ مطمئن رہیں جب تک مجھے اپنی کامیابی کے متعلق پورا پورا اطمینان نہیں ہوگا، میں کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھاؤں گا، جو آپ کے لیے کسی اُلجھن کا باعث ہو ______"

مینڈوزا نے اُٹھتے ہوئے کہا "میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ اب مجھے تھوڑی دیر آرام کرنے کا موقع دیجیے! میں نے ساری رات آنکھوں میں کاٹی ہے۔"

مینڈوزا دوسرے کمرے میں چلا گیا اور زیمینیس نے تلادیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو آپ میرے ساتھ چلیں۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے قدم قدم پر آپ کے نیک مشوروں کی ضرورت پیش آئے گی۔"

ایک ہفتہ اور گزر گیا اور زیمینیس کو شہر سے کسی ناخوشگوار واقعے کی اطلاع نہ ملی، لیکن وہ اس بات سے بہت مضطرب تھا کہ مسلمانوں کی مساجد پہلے سے زیادہ پُر رونق ہیں۔

غرناطہ میں قرآن کے حافظوں کی کمی نہ تھی اور صبح و شام ہر گلی کوچے میں خوش الحان قاریوں کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔ کلیسا کے جاسوس مسلمانوں کے بھیس میں مساجد اور درسگاہوں میں جاتے اور زیمینیس کو اس قسم کی اطلاعات دیتے "مقدس باپ! مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے ہیں اب ان کی مساجد میں ساری ساری رات تلاوت ہوتی ہے۔ فلاں مسجد میں نو عمر لڑکے باری باری قرآن سُنا رہے تھے اور ہزاروں لوگ رو رہے تھے۔

مردوں کی طرح کئی عورتوں کو بھی قرآن حفظ ہے اور وہ گھر گھر جا کر کمسن لڑکیوں کو درس دیتی ہیں۔ مقدس باپ! ہم اُن کے کتب خانے نذرِ آتش کرنے کے باوجود ان کے دِلوں میں اس کتاب کی محبت کم نہیں کر سکے‘ جسے وہ خُدا کا کلام سمجھتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھیں قرآن کی طرح کئی اور مذہبی کتابیں بھی زبانی یاد ہیں۔“

زیمینیس ان سے سُنتا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا۔

اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ جن مسلمانوں کو اس نے زبردستی مُرتد کیا تھا‘ وہ تائب ہو رہے تھے اور صلح کے معاہدے میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کلیسا کی طرف سے اس بات کی ضمانت دے چکے تھے کہ جو لوگ تبدیلیٔ مذہب کے بعد پھر مسلمان ہو جائیں گے‘ وہ محکمۂ احتساب کے دائرۂ اختیار میں نہیں آئیں گے۔

زیمینیس کسی ایسے معاہدے کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا جس سے کلیسا کے اختیارات محدود ہوتے ہوں‘ اُس کا موقف یہ تھا کہ ایک بار عیسائیت قبول کرنے والے ہمیشہ عیسائی رہیں گے اور منحرف ہو جانے کی صورت میں اُن پر محکمۂ احتساب کو مقدمات چلانے کا حق حاصل ہے۔

چنانچہ اس نے اسپین کے محتسبِ اعظم ڈائیگو ڈیزا سے وہ اختیارات حاصل کر لیے جس کی رُو سے وہ عیسائیت سے رُوگردانی کرنے والوں کو گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج سکتا تھا۔۔۔۔ اس کے بعد اہلِ غرناطہ ظلم و تشدد کا نیا دور دیکھ رہے تھے اور اُن کی یہ خوش فہمیاں دُور ہو چکی تھیں کہ عیسائی حکمران کلیسا کی خواہشات کے خلاف معاہدے کی کسی شرط کا احترام کریں گے۔

زیمینیس نے سب سے پہلے ان لوگوں پر ہاتھ ڈالا جن پر یہ الزام تھا کہ وہ

عیسائیت قبول کرنے کے بعد پھر اسلام کی طرف مائل ہو چکے ہیں۔ انھیں گرفتار کر کے اذیت خانوں میں بھیج دیا جاتا‘ اور وہاں اُن پر اِس قدر سختیاں کی جاتیں کہ ایک کمزور آدمی اپنے گناہ کا اعتراف کرنے کے علاوہ پورے کنبے کے خلاف کلیسا کی حسبِ منشا گواہی دینے پر مجبور ہو جاتا‘ کلیسا کے نئے اسیروں کے خلاف مقدمات کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا۔

کچھ عرصہ غرناطہ کی حکومت پر مسلمانوں کا اندرُونی اضطراب ظاہر نہ ہو سکا‘ اور زیمینیس اس بات سے خوش تھا کہ اُس کے راہب چوراہوں میں کھڑے ہو کر اُن کے دین کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ ان کے بزرگوں کے خلاف بدکلامی کرتے ہیں اور کسی کو اُن کے ساتھ اُلجھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

اگر مسلمانوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا خدشہ ہوتا تو گورنر مینڈوزا یقیناً اس جنونی راہب کے راستے میں مزاحم ہو جاتا‘ لیکن اب کوئی یہ سوچنے کے لیے بھی تیار نہ تھا کہ اس بُجھی ہوئی راکھ کے اندر کچھ چنگاریاں ابھی تک سلگ رہی ہیں۔

پھر اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا‘ جو سب کی توقع کے خلاف تھا۔

ایک دن دو سپاہی جن میں ایک زیمینیس کا نوکر اور دوسرا فوجی ملازم تھا‘ ایک نوجوان لڑکی کو زبردستی پکڑ کر لے جا رہے تھے‘ جب وہ البسین کے بڑے چوک میں پہنچے تو چند آدمی لڑکی کی چیخ پکار سُن کر وہاں جمع ہو گئے۔

وہ چلا رہی تھی ”میرے بھائیو! میں مسلمان ہوں اور یہ نصرانی مجھے زبردستی مرتد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے ان ظالموں سے بچاؤ! میں تمھاری بیٹی ہوں! تمھاری بہن ہوں! تم کیا دیکھ رہے ہو؟ تمھاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے؟“

مسلمانوں نے ان کا راستہ روک لیا اور تھوڑی دیر میں وہاں انسانوں

کا ایک ہجوم جمع ہوگیا۔ ایک نوجوان نے گرفتار کرنے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن ایک قوی ہیکل سپاہی، جس نے لڑکی کے سر کے بال پکڑ رکھے تھے اور اپنی سخت گیری کے باعث کافی مشہور ہو چکا تھا، آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے اسلام کے نام لیواؤں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

ایک آدمی نے طیش میں آکر اس کے سر پر پتھر دے مارا اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرا نصرانی جو زمینیس کا ذاتی نوکر تھا، اپنے ساتھی کی لاش چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

پھر ایک شعلہ نوا خطیب نے تقریر کی اور مشتعل ہجوم نعرے لگاتا ہوا زمینیس کی قیام گاہ کی طرف چل پڑا، لیکن اس عرصہ میں مینڈوزا کو عوام کے جوش و خروش کی اطلاع مل چکی تھی اور الحمرا سے فوج کے چند دستے زمینیس کی حفاظت کے لیے پہنچ چکے تھے۔

حملہ آور رات بھر تیروں کی بارش میں مکان کے اندر داخل نہ ہوسکے۔ علی الصباح مینڈوزا تازہ دم فوج لے کر پہنچ گیا اور مسلمان مکان کا محاصرہ اٹھانے پر مجبور ہوگئے لیکن شہر کی فضا دس روز تک ٹھیک نہ ہوسکی۔ مسلمانوں کی مسلح ٹولیاں دن رات شہر میں گشت کرتی تھیں اور کسی نصرانی راہب یا سپاہی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔

اس عرصے میں مینڈوزا نے اپنے ایلچیوں کی معرفت مسلمانوں کے اکابر سے رابطہ پیدا کیا اور انھیں دھمکی دی کہ میں باہر سے افواج منگوا رہا ہوں اگر مسلمانوں نے ان کی آمد سے پہلے ہی اطاعت قبول نہ کر لی تو انھیں ناقابلِ بیان سختیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

مسلمانوں نے انھیں جواب دیا اس فساد کے ذمہ دار ہم نہیں بلکہ وہ

لوگ ہیں جو معاہدے کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور جب تک حکومت ایسے لوگوں کا سدباب نہیں کرتی، اس معاہدے کی حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔ ہم صرف اس صورت میں ہتھیار ڈال سکتے ہیں جب کہ ہمیں حکومت کی نیت کے متعلق پورا اطمینان ہو جائے!"

لیکن ٹنڈیلا کو اصرار تھا کہ وہ مسلمانوں سے صرف اسی صورت میں کوئی وعدہ کر سکتا ہے جب کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔

بالآخر بشپ تلادیرہ نے قدرے جرأت سے کام لیا اور ایک صبح وہ چند پادریوں اور غیر مسلح سپاہیوں کے ساتھ باب النبوت[1] میں جا پہنچا اور مسلمانوں کا مشتعل ہجوم اسے دیکھ کر خاموش ہوگیا۔ تلادیرہ اُن کے لیڈروں کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ گورنر مینڈوزا بھی تیر اندازوں کے چند دستوں کے ساتھ پہنچ گیا ——

وہ تیر اندازوں کو ہجوم سے کچھ دُور رُکنے کا حکم دے کر آگے بڑھا اور اپنی ٹوپی اُتار کر ہجوم کے آگے پھینک دی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ صُلح کے ارادے سے آیا ہے۔ ایک بزرگ صورت مسلمان نے اس کی ٹوپی اُٹھا کر گرد جھاڑنے کے بعد اسے واپس کر دی اور یوں ایک عارضی صلح ہوگئی۔

گورنر مینڈوزا نے ہتھیار ڈالنے والوں کے لیے عام معافی کا اعلان کیا "مجھے معلوم ہے کہ تم حکومت کے باغی نہیں ہو۔ تم صرف یہ چاہتے ہو کہ آیندہ معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہو اور میں اس بات کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ آیندہ تمھیں شکایت کا موقع نہیں دیا جائے گا۔"

---

[1] غرناطہ کے ایک کشادہ چوک کا نام۔

ایک نوجوان نے آگے بڑھ کر کہا "آپ اس بات کی ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ آیندہ ہمیں جبراً عیسائی بنانے کی کوشش نہیں کی جائے گی؟ غرناطہ میں محکمۂ احتساب کے اذیت خانے بند کر دیے جائیں گے اور زمینیس سے وہ تمام اختیارات واپس لے لیے جائیں گے جن سے معاہدے کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟"

"میری ذمہ داری یہ ہے کہ غرناطہ میں امن قائم کیا جائے۔" مینڈوزا نے جواب دیا "اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہر اقدام کو بادشاہ اور ملکہ کی تائید حاصل ہوگی، جب انھیں معلوم ہوگا کہ زمینیس نے تمھاری دل آزاری کے لیے جو اقدامات کیے تھے، وہ سراسر معاہدے کے خلاف تھے اور تم نے مشتعل ہونے کی بجائے انتہائی حوصلے سے کام لیا ہے تو وہ زمینیس کی بجائے تمھاری طرف داری پر مجبور ہو جائیں گے۔ میں نے اپنا خاص ایلچی اُن کی خدمت میں بھیج دیا ہے اور مجھے یہ توقع ہے کہ وہ کوئی تسلّی بخش جواب لے کر آئے گا، لیکن آپ کو چند دنوں تک تحمّل سے کام لینا پڑے گا۔ آپ کو اطمینان دلانے کے لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ سردست اپنی بیوی اور بچّوں کو آپ کی حفاظت میں چھوڑ دوں!"

مسلمانوں کو غرناطہ کے گورنر کی یہ آخری پیش کش ناقابلِ یقین محسوس ہوئی۔ وہ اسے بھی نصرانیوں کا ایک فریب سمجھتے تھے لیکن کچھ دیر بعد جب گورنر نے اپنی بیوی اور بچّوں کو مسجد کے ساتھ ایک مکان میں منتقل کر دیا تو وہ جوشیلے نوجوان بھی کسی حد تک مطمئن ہو چکے تھے جو اب نصرانیوں کے کسی وعدے پر اعتبار کرنا گناہ سمجھتے تھے۔

البسین کے قاضی نے وہ چار آدمی جنھوں نے سابقہ ہنگاموں میں بڑھ چڑھ

کر حصہ لیا تھا، حکومت کو پیش کر دیے اور گورنر کے حکم سے انھیں ایک قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ جب گورنر واپس جانے لگا تو ایک اور معمر آدمی نے محلے کے سرکردہ لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اس سے کہا "جناب! اگر آپ ہم پر اس قدر اعتماد کر سکتے ہیں اور اپنے بال بچّوں کو ہمارے پاس چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ہمیں بھی آپ سے کوئی بے اطمینانی نہیں ہونی چاہیے۔ اس لیے میں اہلِ محلہ کی طرف سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انھیں واپس لے جائیں۔ یہ گھر ان کی شان کے شایاں نہیں۔ کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم اُن کے بدلے اپنے چار آدمیوں کو چھڑانا چاہتے ہیں۔"

مینڈوزا نے جواب دیا "نہیں! مجھے یقین ہے کہ میری بیوی بچّوں کے لیے الحمرا کے قلعے کی بجائے یہ مکان زیادہ محفوظ ہوگا۔ میں ان بہادر لوگوں سے کیسے خائف ہو سکتا ہوں جن کے اسلاف نے صدیوں تک عیسائیوں کے جان و مال کی حفاظت کی ہے۔ میں تمھارے چار آدمیوں کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اُن کے ساتھ قیدیوں کا سا نہیں بلکہ مہمانوں کا سا سلوک کیا جائے گا ——— اور جب شہر کے حالات تسلّی بخش ہو جائیں گے تو انھیں بلاتاخیر رہا کر دیا جائے گا۔"



ان ہنگاموں کے دوران زمینیس کو اپنے مکان کے اندر نظر بند ہو کر رہنا پڑا۔ پھر جب اُسے ذرا چین نصیب ہوا تو اُس نے اوّلین فرصت میں بادشاہ اور ملکہ کے نام ایک مفصل رپورٹ لکھ کر ایک قاصد کے سپرد کی، لیکن یہ قاصد کہیں راستے ہی میں تھا کہ مینڈوزا کا ایلچی جو اس سے پہلے طلیطلہ کے دربار میں باریابی حاصل کر چکا

تھا، زمینیس کے لیے بادشاہ اور ملکہ کی طرف سے تہدید آمیز خطوط لے کر واپس آ گیا۔

زمینیس کو گزشتہ واقعات کے بعد فرڈی نینڈ سے تو کسی بہتر سلوک کی توقع نہ تھی لیکن ملکہ ازابیلا سے اسے یہ امید نہ تھی کہ بادشاہ کی طرح وہ بھی اسے موردِ الزام ٹھہرائے گی۔ چنانچہ اسے تصویر کا دوسرا رُخ دکھانے کے لیے اُس نے بذاتِ خود طلیطلہ پہنچنا ضروری سمجھا۔

راستے کی کٹھن منازل طے کرنے کے بعد یہ بوڑھا راہب قریباً ایک ہفتہ طلیطلہ میں مقیم رہا۔ ازابیلا سے وہ قریباً ہر روز لمبی چوڑی ملاقاتیں کرتا رہا، لیکن فرڈی نینڈ دو دن اس سے اجتناب کرتا رہا۔ تیسرے دن ملکہ کی انتھک کوششوں سے ان کی ملاقات ہوئی تو محتسبِ اعظم ڈائیگو ڈیزا بھی دربار میں موجود تھا۔ قریباً ایک گھنٹہ فرڈی نینڈ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہا، زمینیس سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر جب فرڈی نینڈ کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو اُس نے کہا :

"عالیجاہ! میں نے صرف اپنا فرض ادا کیا ہے اور آپ کو یہ خوش خبری سنانے آیا ہوں کہ میں اپنا مقصد حاصل کر چکا ہوں۔ اب آپ مسلمانوں کے ساتھ ہر معاہدے کی پابندی سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر مجھے اس بات کا کوئی اندیشہ ہوتا کہ مسلمان جنگ کرنے کی سکت رکھتے ہیں تو میں ذرہ بھر خطرہ مول نہ لیتا...

غرناطہ کے گورنر نے آپ کو جس بغاوت کی اطلاع دی ہے وہ صرف ایک ہنگامی اشتعال تھا اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ گورنر کی نرمی کے باعث مسلمان دلیر ہو گئے ہیں۔ انھوں نے میری قیام گاہ پر حملہ کیا تھا —— فادر ڈیزا میرے اس موقف کی تائید کریں گے کہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے باعث وہ ان تحفظات سے محروم ہو گئے ہیں جو معاہدے کی رُو سے انھیں حاصل تھے۔ اب اُن کے

لیے عیسائیت قبول کرنے یا اندلس چھوڑ دینے کے سوا کوئی اور راستہ باقی نہیں رہا۔

میں اسے بھی دینِ مسیح کی ایک کرامت سمجھتا ہوں کہ آپ کو اتنی جلدی معاہدے سے چھٹکارا حاصل کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ ورنہ میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم اپنا فرض پورا کیے بغیر اس دنیا سے چلے گئے تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور آیندہ نسلیں ہمارے متعلق کیا خیال کریں گی؟ کیا یہ وہی مسلمان نہیں جنھوں نے کئی صدیاں ہم پر حکومت کی ہے اور جنھوں نے غرناطہ کی حفاظت کے لیے مسلسل دس سال ہمارے ساتھ جنگ کی ہے؟"

فرڈی نینڈ نے تلملا کر کہا "آپ کو یہ معلوم ہے کہ اگر ہم دس سال کی یہ مہم دس مہینوں میں سر کرنے کی کوشش کرتے تو ہمارا کیا حشر ہوتا؟ غرناطہ کو فتح ہوئے سات برس ہو چکے ہیں اور اس عرصے میں کسی جگہ بدامنی نہیں ہوئی لیکن آپ نے چند ہفتوں میں ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں کہ شاید ہمیں جیتی ہوئی جنگ دوبارہ لڑنی پڑے۔ آپ نے صریحاً ہماری ہدایات کی خلاف ورزی کی ہے۔ آپ نے جبراً انھیں عیسائی بنانے کی کوشش کی ہے اور اب آپ یہ شکایت لے کر یہاں آئے کہ وہ دل سے عیسائی نہیں ہوئے...

آپ نے ان کی مقدس کتابیں جلائی ہیں اور اب آپ یہ گلہ کرتے ہیں کہ اُن کے سینے میں نفرت کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں اسپین کو ایک ایسی عظیم سلطنت بنانا چاہتا ہوں، جس پر کلیسا فخر کر سکے، لیکن آپ مجھے موقع نہیں دینا چاہتے۔ آپ نے پُرامن لوگوں کو بغاوت پر اکسایا ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی تھی کہ غرناطہ کے گورنر نے آپ کی حفاظت کے لیے فوج کے بہترین دستے بھیج دیے تھے اور اس نے جرأت اور ہمت سے کام لے کر یہ معاملہ رفع دفع کر دیا ہے، ورنہ اب تک بغاوت کی آگ پورے ملک میں پھیل جاتی۔"

"عالیجاہ! اگر مجھے یہ اطمینان ہوتا کہ کسی دن مسلمان خلوص دل سے عیسائی ہو جائیں گے تو میں آپ کو پریشان نہ کرتا ——— لیکن صلح کا معاہدہ ہمارے اور اُن کے درمیان ایک ناقابلِ عبور دیوار کی طرح کھڑا ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کو تبدیلیٔ مذہب پر آمادہ کرنے کی یہی ایک صورت تھی کہ اس دیوار کو گرا دیا جائے اور انھیں اس بات کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ چند سال بعد ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ خدا نے آپ کو طاقت دی ہے اور آپ انھیں ہر وقت دبا سکتے ہیں۔ آپ کو اپنے حصے کا کام اپنی آیندہ نسلوں پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

ملکہ نے زمینیس کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں غرناطہ کی صورتِ حال کے بارے میں کم پریشان نہ تھی، لیکن فادر زمینیس نے میرے خدشات دُور کر دیے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ جب آپ اطمینان سے ان واقعات کے متعلق غور کریں گے تو میری طرح آپ بھی یہی محسوس کریں گے کہ خدا کا ہاتھ ہمارے سر پر ہے اور ہمیں اُن معاہدوں کی پابندی نہیں کرنی چاہیے جو ہمیں خدا کی خوشنودی حاصل کرنے سے روکتے ہوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جنگ کے دوران کلیسا سے جو وعدے کیا کرتے تھے، وہ پورے کیے جائیں۔ اگر مسلمان عیسائی ہو جائیں تو یہ ایک بہت بڑی فتح ہو گی اور مستقبل کے مورخ ہمیں تشدد کا طعنہ دینے کی بجائے خراجِ تحسین پیش کریں گے کہ ہم نے اُن کی آیندہ نسلوں کو گمراہی سے بچا لیا ہے۔ اگر وہ ملک سے ہجرت کر جائیں گے تو بھی ہمیں یہ اطمینان ہو گا کہ ہمارا ملک اُن کے وجود سے پاک ہو گیا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"فادر ڈیزا!" ملکہ نے محتسبِ اعظم سے مخاطب ہو کر کہا "آپ کیوں خاموش ہیں؟"

"ملکۂ عالیہ!" ڈیزا نے جواب دیا "اگر بادشاہ سلامت مجھے کچھ کہنے

کی اجازت دیں تو میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ طلیطلہ اور ارغون کی تلواروں نے ہمارے لیے فتح کا جو راستہ کھولا تھا، اسے فادر زمینیس کی تدبیروں نے زیادہ کشادہ اور ہموار کر دیا ہے اور میں ان کی کارگزاری پر فخر کرتا ہوں کہ انھوں نے بادشاہ سلامت کو دشمن کا اصلی چہرہ دکھا کر اس معاہدے کی پابندی سے آزاد کر دیا ہے جس کے باعث سپین میں کلیسا کا بول بالا کرنے کے لیے ہمارے دیرینہ خواب پورے نہیں ہو سکتے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ فادر زمینیس کے ہر اقدام کو میری تائید و حمایت حاصل تھی، اور اگر یہ کوئی جرم ہے کہ میں نے بادشاہ سلامت سے پوچھے بغیر محکمۂ احتساب کے بعض اختیارات فادر زمینیس کو منتقل کر دیے تھے تو میں اس کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہوں۔"

فرڈی نینڈ نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا "فادر ڈیزا! میں کلیسا کے معاملات میں دخل نہیں دیتا لیکن اگر آپ کی کارگزاری سے سلطنت کو کوئی ضعف پہنچا تو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہو گی۔"

"عالیجاہ! اگر حکومت اور کلیسا کا تعاون برقرار رہا تو آپ کی سلطنت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ عیسائیت کی مکمل فتح کے لیے آپ کے ہر اقدام کو کلیسا کی حمایت حاصل ہو گی اور صرف سپین کا کلیسا ہی نہیں بلکہ یورپ کے ہر ملک میں کلیسا کے محافظ آپ کے ساتھ ہوں گے۔"

فرڈی نینڈ کچھ دیر ملکہ، زمینیس اور ڈیزا کی طرف دیکھتا رہا۔ بالآخر اُس نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ آج یہ بحث ملتوی کر دی جائے۔ مجھے ایک یا دو دن سوچنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد میں کوئی فیصلہ دے سکوں گا اور مجھے اُمید ہے کہ میرا فیصلہ کلیسا کے مفاد کے خلاف نہیں ہو گا۔"